103

اسلام اور زندگی

یعنے

الرفیق فی سواء الطریق

حصہ دوم

از افادات

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

کتب خانہ جمیلی، نمبر ۵ گولڈنگ روڈ لاہور

1656

Marfat.com

Marfat.com

1656
153
ت ص - 153

اسلام اور زندگی

یعنی

الرفیق فی سواء الطریق

حصہ دوم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ناشر

کتب خانہ جمیلی نمبر ۵ گولڈنگ روڈ لاہور

Marfat.com

59561

کتاب ——— اسلام اور زندگی حصّہ دوم

سلسلہ نمبر ——— ۴

مصنف ——— حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت ——— اکتوبر ۱۹۶۴ء

قیمت ——— دو روپے پچاس پیسے

——— مطبع ———

ناجی پریس لاہور

——— ناشر ———

کتب خانہ جمیلی

۵، گولڈنگ روڈ۔ لاہور

Marfat.com

گذارش

اس کے بعد دسمبر کی اشاعت میں انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب کا تیسرا حصّہ پیش کیا جائے گا۔ جس کی ضخامت چار سو صفحات سے زائد ہے۔ اسی وجہ سے اس کی قیمت زائد ہوگی۔ مستقل ممبروں سے گذارش ہے کہ قیمت میں معمولی فرق کی وجہ سے وی پی واپس نہ فرمائیں۔ ورنہ ادارہ کو بہت نقصان ہوگا۔

قیمت کی اطلاع بذریعہ خط دی جائے گی

فقط آپ کا خیر اندیش

مشرف علی تھانوی

ناظم کتب خانہ جمیلی۔ لاہور

★

Marfat.com

تشکر

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجدد عالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی گراں مایہ تصانیف کو طبع کرنے کی یہ اہم خدمت اس ناکارہ کے سپرد فرمائی۔ بفضلہ تعالیٰ اب اپنے احباب کی خدمت میں اس سلسلہ کی پانچویں قسط پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

سرمایہ کی کمی اور دقت کی قلت نے بارہا ہمت پست کرنے کی کوشش کی۔ مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت اور ان کے متوسلین کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پہ ہمت بخشی اور مدد فرمائی میں ان احباب کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں اپنی کوششوں کو صرف کر کے بہت سے احباب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ناظرین سے اپنے اور ان حضرات کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہوئے چند کرم فرماؤں کے نام ظاہر کرنے کی جسارت کرتا ہوں جنہوں نے ا ہ کے مستقل ممبر بنانے میں ان تھک کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول فرمائیں۔ آمین

(۱) حضرت مولانا نجم احسن صاحب ناظم آباد کراچی مجاز حضرت تھانوی رح

(۲) حضرت ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ صاحب سکھر

(۳) مرزا محمد ہاشم صاحب کوئٹہ

(۴) حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی مدرسہ اشرفیہ سکھر۔

(۵) سید آصف علی صاحب دفتر سی ایم اے لاہور

(۶) حضرت قاری عبدالعزیز صاحب شوقی دارالعلوم لاہور

ناظرین سے مکرر درخواست ہے کہ ادارہ راقمین ادارہ اور ان حضرات کو خصوصاً اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اس سلسلہ میں جو پریشانی اب تک ہے وہ خریداروں کی کمی ہے۔ اگر جملہ احباب اپنی اپنی کوشش سے ایک ایک دو دو خریدار پیدا کریں تو انشاء اللہ یہ پریشانی بھی دور ہو جائے گی اور کتاب میں کاغذ بھی بہتر لگ سکے گا۔ فقط دعاؤں کا طالب

اشرف علی تھانوی

Marfat.com

فہرست "اسلام اور زندگی" (حصّہ دوم)

مضمون	صفحہ
دُعا کی برکات	۱۰
اصلاح اعمال کی ضرورت	۱۰
دنیا میں کھپ جانا معاصی کی جڑ ہے	۱۱
حبِّ دنیا کی مذمت و حقیقت	۱۳
کیا مولوی دُنیا کو ترک کرتے ہیں؟	۱۴
رُوحانی علاج کیلئے چند روز کافی ہیں	۱۵
حبِّ دنیا و کسبِ دنیا میں فرق	۱۹
حالات پر آیات کو مطابق کرنے میں غلطی	۲۰
تجبون و تزرون کی تاویل فاسد	۲۱
اہلِ درد کا ہر مضمون میں مقصد اصل نفع دینی ہے۔	۲۵
اولاد کیلئے دینی نفع کا اہتمام	۲۸
انبیاء و اولیاء کو معاش و معاد کی عقل کامل	۲۹
عقل معاشی ہونے کے معنی	۳۰
قلت اہتمام دین و معنی دیندار	۳۳
من قال لا الہ الا اللہ کے فہم میں غلطی	۳۴
بعض لوگوں کا اعمال میں اختصار	۳۷
دُعائے ابراہیمی	۳۸
تعلیم بواسطہ وحی افضل ہے	۳۹
علم وحی کے افضل ہونے کا راز	۴۱
بچپن سے صحبت نیک ضروری ہے	۴۳
سنت کا اتباع قوانین سے سہل ہے	۴۵
قرآن میں مقصود رضا ہے	
حکایات نہیں	۴۷
دین کے اجزاء	۴۷
قرآن کا طب۔ وحانی ہونا	
اور امراض روحانی	۴۸
قرآن میں نافرمانی کا علاج کیا ہے؟	۵۱
رحمت الٰہی ہے کہ دین کو آسان کرکے بھیجا ہے	۵۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
دین حاصل کرنے میں ہمارا ہی نفع ہے۔ نہ کہ خدا کا	۵۲
موجودہ آسانی سے زیادہ کی درخواست کی غلطی	۵۵
دین میں تسہیل کرنیوالوں کی غلطی۔	۵۸
اسلام سے بعد کا پہلا زمانہ دُنیا کو اختیار کرنا ہے	۵۹
دنیا کا اصلی مقصد اور اسکی ضرورت	۶۰
اہل اللہ کو پریشانی بالکل نہیں ہوتی	۶۱
اہل اللہ دنیا داروں سے جاہ میں بھی زیادہ ہیں۔	۶۱
دنیا اور دین کے جامع ہونیکی حقیقت	۶۲
خدمت دین کیلئے خاص افراد کی ضرورت	۶۳
اہل اللہ طفیلی مدار نہیں	۶۵
دین کی حفاظت سب کے ذمہ ہے	۶۸
ہر مقصود علمی بھی ہے عملی بھی	
اور شیخ کی ضرورت	۶۸
قبور سے فیض کے بعد بھی شیخ کی ضرورت ہے	۷۳

مضمون	صفحہ
علوم دینیہ سے بے توجہی اور عملی کوتاہی	۷۴
قوانین الٰہی صرف نماز روزہ کا نام نہیں	۷۵
علت کا سوال ہمارا منصب نہیں۔	۷۶
حق تعالےٰ سے حاکم اور محبوب ہونے کا علاقہ ہے	۷۷
دین کے تیسرے جزو یعنی عمل کا بیان	۷۹
قرب الٰہی کی مراد	۸۱
قرب کے معنی میں غلطی	۸۲
ہر تشبیہ کا انکار غلطی ہے	۸۳
تشبیہ کی حقیقت	۸۴
بے قاعدہ عبادت بھی گناہ ہے	۸۶
اصلی اسلام عبدیت ہے	۸۸
مشکل مضامین عوام کیلئے منع ہیں	۹۰
احوال و اسرار کا اخفاء	۹۲
خدا تعالےٰ کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکتا۔	۹۴
حضورؐ نے غیر ضروری علوم سے روکا ہے	۹۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ
علم اسرار وہبی ہے	۹۹
عبارات تصوف سے تصوف کا دعویٰ	۱۰۱
طلب شہرت	۱۰۳
لایعنی امور سے بچنا	۱۰۳
قبول دعا میں تاخیر	۱۰۴
حقیقت قرب الٰہی	۱۰۵
طریق تحصیل قرب حق	۱۰۶
ایمان وعمل کمال دائم وحال سے ہے	۱۰۷
کمال اطاعت کی خاصیت	۱۱۰
حق تعالیٰ کسی کے کہنے میں نہیں	۱۱۲
خلاصۂ طریق قرب	۱۱۴
اہل اللہ کو مصیبت میں بھی راحت ہے	۱۱۳
خدا کو چھوڑنے والے ہی	
مصیبت میں ہیں	۱۱۵
حقیقی عیش کی حقیقت	۱۱۶
اہل اللہ کا رحم دنیا والوں پہ	۱۱۸
عیش دنیا کو عیش سمجھنا بے حسی ہے	۱۲۲
عیش حقیقی کی تحصیل کا طریق	۱۲۴
اخلاق کی درستی ہی تصوف ہے	۱۲۷
شیخ کامل کی پہچان	۱۲۹
حق تعالیٰ سے غلام اور عاشق	
ہونے کا تعلق	۱۳۰
اس تعلق کے انکشاف کا طریقہ	۱۳۲
حب دنیا حجاب حقیقت ہے	۱۳۳
حب دنیا کے ازالہ کا طریقہ	۱۳۴
ہر محبت حب حق کا ظل ہے	۱۳۶
ہر کمال کمال حق کا ظل ہے	۱۳۷
حقوق محبت اور اس کی نوعیت	۱۳۸
امتثال حکم میں عاشق بننا چاہیئے	۱۴۳
احکام گو گراں ہوں خیر ہی خیر ہیں	۱۴۵
وحدۃ الوجود میں غلطی کی اصلاح	۱۴۷
حضورؐ کی سادگی اور صحابہ کا ادب	۱۵۲
ظاہر کا اثر باطن پہ	۱۵۴
عبدیت یہ ہے کہ علت کا سوال نہ ہو	۱۵۶
احکام میں کھود کرید مضر ہے	۱۵۷
اسرار احکام کی اطلاع کا طریقہ	۱۵۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اسرار و احوال معلوم نہ ہونا بھی خیر ہے	۹۵۹
عبدیت میں مصلحت کی طلب نہ ہو	۱۶۰
اصلاح کامل نہ ہو سکے تو ناقص کو نہ چھوڑیں	۱۶۲
اہلِ اللہ سے تعلق کی ضرورت	۱۶۳
اپنی رائے سے کوئی کام نہیں ہوتا	۱۶۳
اہلِ اللہ سے تعلق میں وساوس	۱۶۴
عقل رہبری کے لئے کافی نہیں	۱۶۶
شیخ کی علامات و طریق انتخاب	۱۶۸
انسان صرف عبدیت کے لئے ہے	۱۷۰
محبت کے لوازم اور شیخ کے صفات	۱۷۱
تکمیل کنندہ کی علامات	۱۷۳
بیعت ضروری بھی نہیں بیکار بھی نہیں	۱۷۴
نسبت مع اللہ کی فضیلت	۱۷۵
توبہ اور اس کی حقیقت	۱۷۸
گناہوں کی حقیقت اور بے خبری	۱۷۸
گناہ کی علامت اور فہرست	۱۸۰
توبہ کی ضرورت اور رفع موانع	۱۸۴
پہلی رکاوٹ جہالت دین سے ہے	۱۸۵
دوسری رکاوٹ گناہ کا ہلکا سمجھنا ہے	۱۸۶
تیسری و چوتھی رکاوٹ	۱۸۸
پانچویں رکاوٹ ٹوٹنے کا خوف	۱۹۱
چھٹی رکاوٹ بخشش کا خیال	۱۹۳
غفور رحیم کے صحیح معنی	۱۹۴
ساتویں رکاوٹ تقدیر کا بھروسہ	۱۹۵
معاش کو تدبیر پر اور معاد کو تقدیر پر رکھنا	۱۹۶
توبہ کی تاخیر کی مضرت اور شبہ کا جواب	۱۹۶
آٹھویں رکاوٹ گناہ نہ چھوٹنے کا وہم مع طریقہ	۱۹۸
نویں رکاوٹ گناہ کی لذت مع جواب	۲۰۲
دین کے پانچ اجزاء میں سے ہم نے ایک لیا ہوا ہے۔	۲۰۴

تمت

Marfat.com

(۱۰۴) اصحاب خدمت فقرا کو ڈھونڈنا بیکار ہے

اس اوپر کی حکایت کو سنکر کوئی شخص اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ ایسے فقیروں کو ڈھونڈنے لگے کہ ان کا ڈھونڈنا محض بیکار ہے اس لیے کہ وہ خدا کے قبضہ میں ہیں ان کے منہ سے وہی نکلتا ہے جو ہونے والا ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کی خدمت بھی نہ کرو بلکہ جو ان کے منہ سے نکلواتا ہے اس کو راضی کرو لوگ بڑی ہی غلطی کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کی فاتحہ[1] اس نیت سے دلانا کہ ان سے ہمارا کوئی کام نکلے گا۔ یہ بھی سخت غلطی ہے۔ دیکھئے آخر فرشتے بھی تو بڑے مقبول ہیں مگر ان کی فاتحہ کوئی نہیں دلاتا کیونکہ جانتے ہیں کہ وہ بالکل مجبور اور حکم خدا کے تابع ہیں پس اسیطرح یہ حضرات بھی ہیں۔ اور اگر کہا جاوے کہ فرشتے تو زندہ ہیں اس لئے ان کی فاتحہ نہیں دلاتے تو میں کہوں گا کہ زندہ لوگوں کو بھی تو ثواب پہنچانا جائز ہے

---

[1] ایصال ثواب جو شرعی طریقہ سے ہو ورنہ ایسے ہی گناہ ہوگا ۱۲ حصہ اول کی آخری

Marfat.com

پس جب ان کی فاتحہ اس لئے نہیں کرتے کہ وہ بالکل حکم خدا کے تابع ہیں تو سمجھو یہ حضرات بھی بالکل حکم خدا کے تابع ہیں اور سارے اہلِ خدمت اور اقطاب حکم حق کے سامنے بالکل مجبور ہوتے ہیں کہ جیسا حکم ہو ویسا کرتے ہیں بس ان سے محبت تو رکھنی چاہیئے۔ مگر ان سے دُنیا کا کوئی کام نکلنے کی کوئی اُمید رکھنا سخت غلطی ہے۔

(۱۰۵) دُعا کے برکات

ہاں بزرگوں سے دُعا کراؤ اور وہ بھی صرف اُن بزرگوں سے جو انبیاءؑ کے مشابہ ہوں کہ وہ دُعا بھی کریں گے اور تعلیم و اصلاح بھی کریں گے۔ کیونکہ وہ طبیب ہیں اور دُعا کرانے کے ساتھ اپنے اعمال کی بھی درستی کرو گے ہوں سے توبہ کرو کیونکہ بدوں درستی اعمال کے محض ان کی دُعا سے معتدبہ[1] نفع نہ ہوگا۔ اور نہ ان کی سفارش کچھ کام دے گی۔ اس وقت لوگوں نے عمل کو بالکل چھوڑ ہی دیا اور اگر کرتے ہیں تو یہ کہ بہت سے وظیفے پڑھ لئے حالانکہ دُنیا کی غرض سے وظائف پڑھنے میں قلب میں ایک دعویٰ مضمر ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کو تیر بہدف سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف دعا کے کہ اس میں عجز و انکسار ہوتا ہے

(۱۰۶) اصلاح اعمال کی ضرورت

غرض یہ ہے کہ اعمال کی درستی کرے اور ہمیشہ اس سبق کو یاد رکھے۔

---

[1] شمار کے قابل یعنی کافی سے چھپا ہوا۔

Marfat.com

اور پھر خدا کو ناراض نہ کرے اور ناراض کرنا خاص یہی نہیں کہ اس خاص گناہ کا مرتکب ہو بلکہ سارے گناہوں کا ارتکاب موجب ناراضگی ہے۔ لہذا سارے گناہ چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو محض اسی کا خیال ہے کہ فلاں گناہ سے مصیبت آئی ہے ممکن ہے کہ کسی دوسرے گناہ سے آئی ہو پھر اگر گذشتہ مصیبت کسی خاص ہی گناہ سے آئی ہو تو یہ کیا ضرور ہے کہ مستقبل میں دوسرے سے نہ آئے گی۔ دیکھو اگر انگارے سے چھپر جل جائے تو کیا چنگاری کو چھپر میں رکھ دیں گے۔ غرض گناہ چھوٹا ہو یا بڑا سب چھوڑ دو۔

(۱۰۷) دُنیا میں کھپ جانا جملہ معاصی کی جڑ ہے

معاصی کی مختصر سی فہرست تو ہر شخص کے ذہن میں ہے۔ یعنی زنا چوری جھوٹ بولنا وغیرہ کہ ان کو سب گناہ جانتے ہیں لیکن بعض معاصی ایسے بھی ہیں کہ وہ ان سب کی جڑ ہیں اور اسی لئے سب سے اوّل فہرستِ معاصی میں ان کا نام ہونا ضروری ہے مگر ہم کو اُن کی طرف التفات بھی نہیں۔ نہ ہماری فہرست معاصی میں ان کا شمار ہے اور یہ بہت بڑی غفلت ہے اب اس کے نام سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہم نے اس کو اپنی فہرست میں بیشک شمار نہیں کیا اور وہ دنیا میں منہمک ہونا ہے۔ اب جس سے چاہے دریافت کر لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ کسی نے بھی اس کو معصیت نہیں سمجھا نماز نہ پڑھنے کو دوسرے کا مال دبا لینے کو زنا کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دُنیا میں کھپ جانے کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔ حالانکہ یہ ایسا مرض عام ہے کہ جس

Marfat.com

ہیں قریب قریب سب مبتلا ہیں اور ایسا قوی ہے کہ سب معاصی اسی کی فروع ہیں۔ مثلاً کوئی شخص نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ وہ دنیا میں غرق ہے اور دین سے بفکر ہے علیٰ ہذا روزہ حج۔ زکوٰۃ جس چیز میں بھی کوتاہی ہو اس کا سبب یہی ہے۔ اگر کوئی شخص بدکاری میں مشغول ہے تو اس کی وجہ یہی دین سے بفکری اور دنیا میں انہماک ہے۔ غرض اس میں تطویل تقریر کی ضرورت نہیں اگر ذرا غور کیا ہوگا تو معلوم ہوا ہوگا کہ وجہ سب معاصی کی یہی[1] انہماک فی الدنیا ہے۔ مگر پھر بھی یہ سب ہی کا شعار[2] ہو رہا ہے حتیٰ کہ دیندار بھی باستثناء عارفین و اہل تقویٰ و اہلِ فکر کے سب اس میں مبتلا ہیں۔ دینداروں کی دینداری بھی اتنی ہی ہے کہ نماز پڑھ لیں اگرچہ بفکری ہی سے ہو۔ اور ڈاڑھی نیچی کرلیں۔ اگرچہ لوگوں کا مال دبا رکھا ہو۔ معاملات میں ضرر پہنچاتے ہوں۔ غرض دینداری بھی آجکل اس کا نام ہے کہ صورت دینداروں کی سی ہو اور سیرت میں صرف وہ باتیں ہوں جو رسوائی سے بچائیں مثلاً پانچ وقت کی نماز پڑھنا روزہ رکھ لینا اگرچہ حالت یہ ہو کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پر خلل واندروں قہر خدائے عزوجل

---

[1] شاخیں [2] دنیا میں کھپ جانا۔

[3] خصوصیت۔

[4] ۔ باہر سے تو کافر کی قبر کی طرح ہے کہ حلول والی زیب و زینت والی مگر اندر خدا تعالےٰ کا عذاب۔

Marfat.com

از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت ننگ می دارد یزید

تو حالت یہ ہے لیکن وہ خود بھی اپنے کو اور دوسرے بھی اوسکو دیندار سمجھیں گے اور ان کی اس حالت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خود تو بگڑے ہی تھے۔ دوسروں کے لئے بھی ایک برا نمونہ بن گئے۔ اور ایسے ہی لوگ ہیں جو مرض کو ہنر اور ہنر کو مرض سمجھتے ہیں کہ زیادہ تقویٰ کرنے سے دنیا کا نقصان ہوتا ہے تو جب ان کی یہ حالت ہے تو دنیا داروں کی کیا شکایت کی جائے۔ غرض مرض الہماک فی الدنیا اس لئے اشد ہو گیا ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں اور انہوں نے اس کو صحت سمجھ رکھا ہے۔

(۱۰۸) حبّ دُنیا کی مذمت اور حبِ دنیا مذموم کی حقیقت

حق تعالیٰ آیت کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ میں اسی شکایت کو ظاہر فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ دُنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو یہاں تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ کے بعد تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ بڑھانے سے حبِ دُنیا کی تفسیر بھی ہو گئی۔ یعنی حبِ دنیا اس کو کہیں گے جس میں

---

۱ تم باہر اور ظاہری حالت سے تو حضرت بایزید بسطامی پر طعنہ کرنے والے یعنی شرمانے والے ہو اور تمہارے باطن سے یزید بھی شرم رکھتا ہے ۲ دُنیا میں کھپ جانے کی بیماری ۳ بہت سخت ۴ تم دنیا سے محبت کرتے ہو۔ ۵ آخرت کو چھوڑتے ہو۔

Marfat.com

آخرت کا ترک ہو جائے اور اسی سے حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ کے معنی بھی سمجھ میں آگئے ہوں گے۔ یعنی حب دُنیا وہ ہے کہ جس کی بدولت آخرت چھوٹ جائے ورنہ اگر آخرت نہ چھوٹے تو وہ حب دُنیا نہ سمجھی جائیگی اور وہ رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ میں داخل نہ ہوگی۔ گو اس کی طرف طبعی میلان اور بقدر ضرورت اس کا اکتساب بھی ہو اب اس کے معلوم ہو جانے سے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

(۱۰۹) اہلِ دُنیا کے اس اعتراض کا جواب کہ مولوی دُنیا کو ترک کراتے ہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء ہم کو دُنیا کے لینے سے بالکل روکتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم مسجد کے ملّا ہو کر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس قسم کی ایک حکایت بھی گھڑی ہے کہتے ہیں کہ

حکایت :۔ کسی بادشاہ کے یہاں بہت سے مولوی جمع ہو گئے تھے سب نے اتفاق کر کے بادشاہ سے کہا کہ فوج پر جو یہ روپیہ فضول خرچ ہو رہا ہے اسکو

لہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی سردار ہے۔ یہ حدیث میں ہے ۲۔ ہر گناہ کی سردار ۳۔ کمانا سے دنیا چھڑانا نہیں ہے نہ اس کی طرف طبعی رغبت کو روکنا ہے نہ ضرورت کے موافق اس کا کمانا برا ہے۔ ہاں اس میں کھپ جانا اور دل کو اسمیں اور اس کو دل میں جما لینا برا ہے۔

Marfat.com

موقوف کردو۔ اس نے کہا کہ فوج اس ضرورت سے رکھی گئی کہ اگر کوئی غنیم آئے تو یہ اس کو دفع کریں مولویوں نے کہا کہ اگر ایسا ہوگا تو اس کام کو ہم انجام دیں گے۔ غرض فوج موقوف کر دی گئی۔ یہ خبر مشہور ہوئی تو کوئی غنیم آ چڑھا بادشاہ نے مولویوں سے خبر کی۔ یہ لوگ کتابیں لے کر پہنچے اور وہ وعظ و نصیحت سنا یا وہ کیوں سننے لگا تھا۔ آخر ناکام واپس آئے اور بادشاہ سے کہا کہ صاحب وہ بڑا نالائق ہے۔ مانتا ہی نہیں۔ خیر پھر آپ ملک چھوڑ دیجئے۔ آپ کا ملک گیا اس کا ایمان گیا۔

اس حکایت کو پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ اگر مولویوں کے کہنے پر چلیں تو گھر بار سب چھوڑ دیں۔ صاحبو اس افواہی حکایت کی تو کچھ اصل ہی نہیں ہے جس کا جواب دیا جائے۔ لیکن اصل اعتراض کی نسبت کہتا ہوں کہ آپ آکر کسی عالم کے پاس رہے ہی نہیں اس لئے آپ کو اس قدر وحشت و اجنبیت ہے چند روز تک آکر کسی عالم کے پاس رہیے تو انشاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو مولوی کیا تعلیم دیتے ہیں۔

(۱۱) امراض روحانی کے علاج کے لیے چند روز کا نکالنا کافی ہے

اور اگر آپ کہیں کہ ہم اتنا وقت کہاں سے لائیں تو میں کہوں گا کیا آپ امراض جسمانی کی ضرورت سے رخصت لیتے ہیں یا نہیں اور اس رخصت میں تین تین یا چار چار ماہ گنوا دیتے ہیں۔ یا نہیں تو جب امراض جسمانی کے لیے ایک انگریز ڈاکٹر سول سرجن کے کہنے سے چار مہینے فضول گنوا دیتے ہیں تو امراض روحانی کے

Marfat.com

علاج کے لیے ایک عربی سول سرجن کے کہنے سے بجائے چار مہینے کے چالیس ہی دن اس کے پاس فارغ ہو کر رہ لو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقدانہ رہو بلکہ ممتحانہ رہنے کی اجازت ہے۔ ہاں معاندانہ[1] طور پر نہ رہو اب اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہو گی کہ عمر بھر میں سے صرف چالیس دن مانگے جاتے ہیں واللہ اگر آپ ایسا کر لیں تو قریب قریب تمام سوالات کے جوابات خود بخود بدون مناظرہ کے آپ کی سمجھ میں آجائیں اور جب آپ چلنے لگیں تو اس وقت آپ سے پوچھا جائے گا کہ آیا یہ کہنا صحیح تھا یا نہیں کہ ؎

اے[2] لقائے تو جواب ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اور اس وقت کہا جائے گا کہ دیکھ لو ؎

آفتاب[3] آمد دلیل آفتاب — گر دلیلت باید از وئے رو متاب

اور چالیس دن کی تخصیص میں اپنی رائے سے نہیں کرتا بلکہ خود حدیث[4] سے ہم کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ہم چالیس دن تک کسی کام کو نباہ کر کر لیں تو پھر ہماری مدد ہوتی ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ[5] اَخْلَصَ

---

[1] مخالف اور دل سے برا جاننے والا بنکر۔ [2] اے وہ صاحب کہ آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور ہر مشکل آپ سے خود بخود حل ہو جاتی ہے بغیر اسکے کہ عرض کیا جائے اور جواب ملے۔ مگر ان صاحب کا صحیح بزرگ ہونا ضروری ہے جہاں یہ بات نہ پیدا ہو سمجھ لیجئے کہ وہ نیک تو سہی مگر بزرگ نہیں [3] آفتاب خود ہی آفتاب یعنی روشنی دینے فائدہ پہنچانے والا ہونیکی دلیل ہے اگر تم کو روشنی اور فائدہ کی دلیل چاہیئے تو اسکی طرف سے منہ نہ پھیرئے اسی طرح بزرگ حضرات کا حال ہے [4] [5] جو شخص اللہ تعالےٰ کیلئے چالیس دن تک اخلاص کر لیگا (سب سے دل کو خالی کر کے اوپر لگا لیگا) اللہ تعالےٰ اس کے دل پر عقل و دانائی کے چشمے جاری کر دیں گے۔ یا اور جو لفظ ہوں۔

Marfat.com

حضور مقبول کے قربان جایئے کہ ہر ہر ضرورت میں ہماری دستگیری فرمائی اور ایک معیار ہم کو بتلا دیا کہ اس کے موافق ہم کام کر سکیں اور وہ معیار یہ ہے کہ اس میں اخلاص ہو ایسا چلّہ نہ ہو کہ جیسے ایک گنوار نے کیا تھا۔

حکایت :- ایک گنوار کو ایک مولوی صاحب نے نماز پڑھنے کے لیے کہا اور چلّہ بھر پڑھنے پر ایک بھینس کا وعدہ کیا۔ جب چلّہ پورا ہو گیا تو یہ شخص مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ چالیس دن پورے ہو گئے۔ لہٰذا بھینس دیجئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ بھائی میں نے تو اس لیے کہہ دیا تھا کہ اگر تو نے چلہ بھر جم کر نماز پڑھ لی تو عادت پڑ جائے گی اور پھر نہ چھوٹ سکے گی۔ کہنے لگا بہتر ہے نہ دیجئے۔ جاؤ پھر یاروں نے کبھی بے وضو ہی پڑھائی ہے تو جیسے اس کو بے وضو پڑھنے کی وجہ سے اثر نہ ہوا اسی طرح اگر تم بھی مثلاً اس نیت سے رہو کہ مولوی صاحب کے پاس رہ کر خوب دعوتیں کھانے کو ملیں گی تو خاک بھی اثر نہ ہوگا۔ بلکہ میں یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس جا کر رہنے کا قصد ہو تو اپنے پاس ہی سے کھانا بھی ہوگا تاکہ خرچ کر کے تعلیمات کی قدر تو ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز مفت آتی ہے اس کی کچھ قدر نہیں ہوا کرتی ؎

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص نان دہد

لہٰذا اس تعلیم کا معاوضہ یہ ہے کہ چالیس دن تک اپنا خرچ کر کے رہو۔

حکایت :- مجھے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک کتاب چھپوانے

؎ جو شخص کہ سستا خریدتا ہے سستا ہی دیتا ہے۔ ایک بچہ ایک موتی کو روٹی کی ٹکیہ کے بدلہ دے دیتا ہے۔

Marfat.com

کے لیے فرمایا میں نے اس کے مفت تقسیم کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ فرمایا کہ بھائی مفت تقسیم نہ کرنا کیونکہ لوگ دیکھیں گے بھی نہیں غرض علماء اور اطباء روحانی سے وحشت یا ان پر اعتراضات یا مسائل اسلام میں شکوک اسی وقت تک ہیں کہ جب تک آپ ان کے پاس جاکر نہیں رہتے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ اظہار طلب اور شکوک ہونے کے باوجود بھی یہ نہیں ہوتا کہ چالیس دن کسی کے پاس جاکر رہ لیں۔

حکایت:۔ ایک تحصیلدار صاحب نے ایک شخص کو پیش کیا کہ ان کو بعض مسائل اسلام میں شکوک ہیں میں نے کہا کہ ان شکوک کا علاج یہ نہیں کہ اس مختصر جلسہ میں یہ ان کو پیش کریں اور میں جواب دے دوں گا۔ اور یہ سنکر چلے جائیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ چند روز کے لیے میرے پاس آکر رہیں اور میں جو کہا کروں اس میں یہ عذر کیا کریں۔ ان صاحب نے نہایت زور کے ساتھ آکر رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن مدت گذر گئی اور ان کا وعدہ وفا نہیں ہوا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ لوگ اپنی حالت کو مرض نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ کوئی مرض بھی اس کی برابر نہیں۔ نیز مرض بھی پرانا ہے۔ لہذا ایک دو جلسے میں اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ کم از کم ایک چلہ تو حکیم کے پاس رہنا چاہیئے۔ جیسا حدیث میں مذکور ہوا اسی حدیث کا گویا حافظ شیرازی نے ترجمہ کیا ہے۔

شنیدم کہ در دے در سرزمینے ہمی گفت ایں معما با قرینے

لہ میں نے سنا ہے کہ کوئی راہ چلنے والا کسی زمین میں اپنے ایک ساتھی سے یہ معمّٰی کہہ رہا تھا۔

Marfat.com

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف[1] کہ در شیشہ بماند اربعینے

شیشے سے مراد قلب ہے اور شراب سے مراد محبت الٰہی ہے معلوم ہوا کہ ایک چلہ علاج کرنے سے انشاء اللہ اصل مرض جاتا رہے گا۔ اور پھر انشاء اللہ عمر بھر مقویات[2] پہنچتی رہیں گی گویا مسہل تو طبیب کے پاس رہ کر ہو جائے گا اور ازالۂ مرض کے بعد تقویت پہنچانے والی دوائیں دور رہ کر بھی پہنچتی رہیں گی خدا کے لئے صاحبو اس علاج کو آزما کر تو دیکھو اور چونکہ میں نے اصل علاج بتلا دیا ہے لہٰذا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں جزئی[3] شکوک اور شبہات کا جواب دوں۔

(۱۱) حُبّ دنیا اور کسبِ دُنیا میں فرق

حب دُنیا وہی ہے جس میں ترک آخرت ہو نہ کہ کسب دنیا بس کسب دُنیا جائز اور حب دنیا ناجائز۔ کسب اور حب میں وہی فرق ہے جو کہ غلیظ[4] کے صاف[5] کرنے اور کمانے اور[6] کھانے میں کہ اوّل برا نہیں اور دوسرا بُرا اور معیوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ تُحِبُّوْنَ[7] الْعَاجِلَةَ فرمایا تَكْسِبُوْنَ[8] الْعَاجِلَةَ نہیں فرمایا اب اپنے اوپر منطبق کر لیجئے اور دیکھئے کہ آپ تحبون[9] کے مصداق ہیں

---

[1] اے صوفی شراب تو اسی وقت صاف اور عمدہ ہوتی ہے اور بوتل میں ایک چلہ (۴۰ دن) رہے [2] قوت دینے والی دوائیں [3] ایک ایک کا [4] نجاست۔ [5] تم دنیا سے محبت کرتے ہو [6] دنیا کو کماتے ہو۔ [7] تم محبت کرتے ہو۔

Marfat.com

یا تکسبون[1] کے۔

(۱۱۲) اپنی حالت پر آیات کی تطبیق کرنے میں بعض کی غلطی

اس انطباق میں عوام سے تو کچھ اور خوف اور اندیشہ اس لیے نہیں کہ ان کو کچھ خبر ہی نہیں ان بیچاروں سے جو بات کہدی گئی انہوں نے سن لی اور عمل کر لیا اور علماء سے اس لیے خوف نہیں کہ ان حضرات کی نظریں اصل حقیقت تک پہنچی ہوئی ہیں۔ البتہ ان نیم خواندہ[2] خود رائے لوگوں سے (جو بوجہ نیم ہونے کے تلخ بھی ہیں) ڈر لگتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ کہدیں کہ ہم کو یہ آیت سُنکر اپنی حالت پر منطبق کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ ہم اس کے مخاطب ہی نہیں۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے۔ لہذا کفار اس کے مخاطب ہوں گے ہم مسلمان اس کے مخاطب ہی نہیں ہو سکتے ہم سے اس آیت کو کیا تعلق۔ لہذا اب میں اس کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

اکثر لوگ آیات کے متعلق یہ سُنکر کہ کفار کو خطاب کیا گیا تھا۔ بیفکر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے بیفکر نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اور زیادہ فکر میں پڑ جانا چاہیئے اور زیادہ اثر لینا چاہیئے۔ کیونکہ جب کوئی آیت عتابیہ[3] کفار کی شان میں نازل ہوتی ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس آیت کے مضمون کا خطاب کفار کو ان کی ذات[4] کی وجہ سے ہوا ہے یا کسی صفت کی وجہ سے اور ظاہر ہے کہ ذات

---

[1] تم کماتے ہو [2] آدھے پڑھے ہوئے تھوڑی تعلیم والے [3] عتاب و ناراضی والی۔
[4] یعنی صرف انسان ہونے کی وجہ سے۔

Marfat.com

کی وجہ سے یہ خطاب نہیں ہوا ورنہ ہر انسان کو گو وہ متقی ہی ہو اس کا خطاب ہوتا۔ کیونکہ ذاتاً سب متحد ہیں اور لازم باطل ہے۔ فالملزوم مثلہ۔
پس معلوم ہوا کہ کسی صفت کی وجہ سے یہ خطاب ہوا ہے اور کوئی حالت خاصہ اس مضمون کے ترتب کی علت ہے تو اگر وہ علت کفار کے علاوہ کسی دوسری جگہ بھی پائی جاوے گی تو اس جگہ بھی یہ مضمون مرتب ہوگا۔ مثلاً اسی آیت میں وعید کا مدار حب عاجلہ ہے۔ لہٰذا اگر حب عاجلہ تمہارے اندر پائی جائے گی تو تم بھی وعید کے تحت میں داخل ہوگے۔ پس اب غور کرو اور اگر اپنے اندر حب عاجلہ دیکھو تو بہت جلد اس کا علاج کرو اور اپنی حالت پر افسوس کرو کہ جو امور اس زمانہ میں کفار میں ہوتے تھے۔ آج وہ مسلمانوں کے اندر موجود ہیں۔

(۱۱۴) آیت میں تُحِبُّونَ وَتَذَرُونَ کی ایک تاویل فاسد کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تُحِبُّونَ وَتَذَرُونَ سے مطلق محبت اور ترک

---

۱ انسان انسان ہونے میں سب ایک ہیں ۲ یعنی انسان ہونے کی وجہ سے ہوتا تو لازم آتا ہے کہ متقی لوگوں کو بھی ہوتا کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اور یہ لازم کہ متقی لوگوں کو بھی یہ خطاب ہو باطل ہے کیونکہ انکو دنیا کی محبت ہی نہیں ہوتی ۳ تو جسکو یہ لازم تھا۔ وہ بھی ایسے ہی ہے یعنی باطل اور یہ بات لازم آئی تھی۔ محض انسان ہونے کی وجہ سے خطاب ہونیکو لہٰذا محض انسان ہونیکی وجہ سے انکو خطاب ہونا باطل ہے ۴ سزا کا مدار دنیا کی محبت ہے ۵ کہ جب سزا دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوگی اور دنیا کی محبت ہمارے اندر بھی ہوگی تو ہم بھی سزا کے مستحق ہوں گے۔ ۶ غلط یا خراب تاویل۔

Marfat.com

مراد نہیں۔ بلکہ یہ دونوں لفظ خاص ہیں یعنی وہ ترک مراد ہے جو اعتقاداً[1] ہو اسی طرح محبت سے وہ محبت مراد ہے جو اعتقاداً[2] بقائے دوام کے ساتھ ہو اور ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ بحمد اللہ قیامت کے قائل ہیں۔ دنیا کو فانی جانتے ہیں۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں کوئی قید نہیں[3] ہے اور تمہارے پاس اس قید کی کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل کوئی دعویٰ مسموع نہیں ہوتا۔ پس اس قسم کی قید لگانا قرآن شریف کے مقصود کو بالکل باطل کرنا ہے۔ اور اس تاویل کی ایسی مثال ہے کہ

حکایت :- ایک شخص نے کسی مقام پر پہنچ کر ایک مجمع میں بیٹھ کر کہنا شروع کیا کہ میں جب یہاں آیا تھا تو ایک عورت سے میری آشنائی ہوئی۔ اور میں اسکے گھر جایا کرتا تھا۔ اور اسکا گھر ایسا ایسا تھا اور اس کا شوہر ایک بار آگیا تھا اور اس نے مجھ کو اس اس طرح چھپا دیا تھا۔ اور اس مجمع میں اس عورت کا شوہر بھی تھا اور اس کے پکڑنے کی فکر میں تھا۔ اب یہ اقراری مجرم مجمع عام کے سامنے ہو گیا جرم ثابت ہونے میں کوئی حجت باقی نہ رہی۔ اس عورت کو خبر ہوئی اور کچھ اشارہ کر دیا جس کو یہ سمجھ گیا اور تمام قصہ ختم کر کے آخر میں کہہ دیا کہ بس اتنے میں آنکھ کھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا لوگوں نے کہا کہ کیا یہ سب خواب تھا کہنے لگا کہ اور نہیں تو بھلا میں

---

[1] عقیدہ میں ہو کہ آخرت کا عقیدہ ہی نہ رکھتے ہوں [2] عقیدہ میں کہ ہمیشہ دنیا میں رہنے کے ساتھ دنیا سے محبت ہو۔ [3] جس سے عقیدہ میں، مراد ہو عمل میں مراد نہ ہو۔ بلکہ دونوں صورتوں کو عام ہے۔

59561

Marfat.com

غریب پردیسی مجھ کو کون پوچھتا ہے۔ تو ایسی تاویل آپ حضرات ہی کو مبارک ہو غرض یہ کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی غرض کے مطابق جہاں چاہو اور جس طرح چاہو کر لو[1] مگر افسوس ہے کہ ہمکو اس کی ذرا پروا نہیں وہ حالت ہو رہی ہے کہ

بر ہوا[2] تاویل قرآن می کنی — پست و کژ شد از تو معنی سنی
چوں[3] ندارد جان تو قندیلہا — بہر بینش می کنی تاویلہا
کردۂ[4] تاویل لفظ بکر را — خویش را تاویل کن نے ذکر را

(۱۱۴) اہلِ درد ہر مضمون سے اپنے مقصد کی طرف منتقل ہوتے ہیں

اور میں علی سبیل التنزل[5] کہتا ہوں کہ اگر یہ معنی نہ بھی ہوں اور تذرون مقید ہی ہو اعتقادی ترک کے ساتھ تب بھی آپ کو بیفکر نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس دل میں درد ہوتا ہے۔ اس کو تھوڑے سے التفات سے بھی تنبہ[6] ہو جاتا ہے۔ گو وہاں دوسری ہی کسی حالت کا بیان ہو مشہور ہے کہ

---

[1] تاویل کر لو [2] تم اپنی خواہش نفسانی پر قرآن مجید کی تاویل کرتے ہو۔ تمہاری حرکت سے قرآنی بہترین معنے پست اور ٹیڑھے ہو گئے [3] جب تمہاری جان قندیلیں نہیں رکھتی (علوم نبوی کی روشنیاں نہیں رکھتی) تو اب اس کو دیکھنے کو تاویلیں کرتے ہو [4] تم نے اچھوتے لفظ کی تاویل کر ڈالی تم تو اپنے کو تاویل کرو (خدا کی طرف رجوع کرو) قرآنی لفظوں کی تاویل نہ کیا کرو [5] نیچے اُترنے کے طریقہ پر [6] توجہ۔

Marfat.com

ہا سایہ ترا نمی پسندم[1] عشق است و ہزار بدگمانی

حکایت :- حضرت شبلیؒ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سبزی فروش صدا لگاتا ہوا آیا کہ الخیار العشرۃ بدانق جس کے معنی یہ ہیں کہ دس ککڑیاں ایک دانق[2] کے عوض لیکن حضرت شبلیؒ نے سنکر ایک چیخ ماری اور رونے لگے اور فرمایا کہ جب دس پسندیدہ[3] آدمیوں کی یہ قیمت ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں۔ ان کا ذہن منتقل ہوا خیار کے دوسرے معنی کی طرف یعنی نیک لوگ ان لوگوں کے دل میں ہر وقت وہی بات رچی رہتی ہے حضرت جامیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی[4] ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

اور یہ صرف شعراء کے کلام ہی سے استدلال نہیں بلکہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ حدیث[5] میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کچھ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے

---

[1] میں آپ کو سایہ کے ساتھ بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ عشق ہوتا ہے تو ہزاروں بدگمانیاں ہوتی تو جیسے باوجود سایہ سے کسی بات کا احتمال نہ ہونے کے عشق میں گوارا نہیں ہوتا۔ اگر آیت میں عقیدہ میں ہی ترک آخرت اور محبت دنیا دار ہوتی عمل میں ترک و محبت کا احتمال بھی نہ ہوتا تب بھی عشق اس قریبی چیز کو گوارا نہیں کر سکتا [2] چھ رتی چاندی کا سکہ [3] خیار کے دوسرے معنے خیر عمدہ و پسندیدہ لوگوں کے تھے۔ تو مطلب یہ بھی بن سکتا ہے کہ نیک و پسندیدہ دس لوگ ایک دانق کی برابر ہیں۔ بس عشق نے اس سے چوٹ کھائی [4] میری زخمی روح اور جاگتی رہنے والی آنکھ میں صرف تو ہی تو ہے۔ جو کوئی دور سے ظاہر ہوتا ہے سمجھتا ہوں کہ تو ہی ہے۔

[5]

Marfat.com

تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اجلسوا یعنی بیٹھ جاؤ اس ارشاد کو سنکر جو شخص جس جگہ تھا اسی جگہ بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ ایک صحابی اسی وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے۔ ارشاد نبویؐ کو سنکر فوراً جوتوں کے پاس ہی بیٹھ گئے حالانکہ جانتے تھے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جو جگہ پر پہنچ کر بھی نہیں بیٹھے۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے اور تمہارے کانوں میں پڑا ہے۔ اگرچہ تم بظاہر مخاطب نہیں۔ لیکن خطاب محبوب کو سننے والے تو ہو لہٰذا بیٹھ ہی جانا چاہیئے تو آپ لوگ جائیں اور شبلیؒ کو بھی جانے دیجئے۔ خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دردِ دل کا اور محبت کا مقتضاء یہ ہے کہ احتمال پر بلکہ مشابہت احتمال پر بھی اپنے کو مخاطب سمجھے۔ اگرچہ اپنے مخاطب ہونے کا یقین نہ ہو۔ بلکہ مخاطب نہ ہونے کا بھی یقین ہو۔ غرض جس طرح آپ چاہیں ثابت سمجھیں حدیث سے یا شعراء کے اقوال سے۔ ہمارا مقصود ہر طرح حاصل ہے۔

(۱۱۵) اصلی نفع، نفع دینی ہے۔ باوجود ضروری ہونے دنیوی نفع کے

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ اس مقام پر

سُلہ اے ہمارے پروردگار ان ہماری اولاد میں ایک ایسے رسول کو بھیجئے جو انہی میں سے ہوں۔ ان پر آپ کی آیتیں تلاوت کریں اور کتاب الٰہی اور دانائی سکھائیں اور انکو گناہوں اور برائیوں سے پاک کریں بیشک آپ ہی غلبہ والے اور حکمت والے ہیں۔

Marfat.com

یہ مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنائے کعبہ کے وقت جو دُعائیں ان دونوں صاحبوں نے کی ہیں ان میں ایک دُعا یہ بھی ہے کہ جس کا نفع ان کی اولاد کو پہنچا ان حضرات نے اوّل اپنے لیے دُعا کی۔ اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے دُعا کی۔ منجملہ دعاء للاولاد کے یہ بھی ہے حاصل اس دعا کا یہ کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے اپنی اولاد کو ایک دینی نفع پہنچایا اس دُعا کے طرز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امر اصلی قابلِ التفات نفع دینی ہے اور نفع دنیوی اس کے تابع ہے۔ اور اس کے ساتھ ملحق۔ ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سبق لینا چاہیئے کہ انہوں نے جہاں اپنی اولاد کے لیے نفع دُنیاوی کی دُعا کی کہ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وہاں اس دینی نفع کی بھی دُعا کی کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ الخ تو نفع دنیاوی کے لیے دُعا کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ضروری ہے اور ظاہر بھی ہے کہ اگر دُنیا کا نفع نہ ہو تو دُنیا میں بہت کم طبیعتیں ایسی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ پس اپنے رزق کی وسعت کے لیے اپنی صحت کے لیے بھی خدا تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہیئے۔

حکایت ۵۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک صحابی کو دیکھا کہ بہت لاغر ہو رہے ہیں تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دُعا تو

لہ اولاد کے واسطے جو دُعائیں کی تھیں ان میں سے ۲ اور رزق دیجئے اس آبادی والوں کو ہر طرح کے پھل۔ ۳ کو جو ایمان لے آئیں اللہ پر اور روزِ آخرت پر ۴

Marfat.com

نہیں کہہ لی کہنے لگے کہ ہاں دُعا تو کی تھی۔ آپؒ نے فرمایا کیا دعا کی تھی کہنے لگے کہ یہ دعاء کی تھی کہ جو کچھ عذاب ہے نا ہو دنیا ہی میں ہو جاوے۔ آپؒ نے اُن کو متنبہ[1] فرمایا تو یہ غلطی کی بات ہے کیونکہ انسان ضعیف ہے۔ اور احتیاج اس کی خمیر میں ہے۔

حکایت:۔ ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے لیے دس روپیہ کا انتظام کر دیجئے۔ کیونکہ مجھے سخت ضرورت ہے۔ اس کے بعد اِدھر اُدھر کا تذکرہ کرنے لگا۔ فقیری کا دم بھرنے لگے کہنے لگے کہ جنت کی کیا پرواہ ہے۔ اور دوزخ کا کیا ڈر ہے۔ میں نے کہا میاں بیٹھو تم سے دس روپیہ سے تو صبر ہو نہیں سکا جنت سے کیا صبر کر سکو گے۔ اگر ایسے مستغنی تھے تو دس روپے ہی سے صبر کر لیا ہوتا تو واقعی انسان ایسا محتاج ہے کہ دُنیا اور آخرت دونوں کی اس کو ضرورت ہے اور آخرت کا دنیا سے زیادہ محتاج ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے جیسے دُنیا کے لیے دُعا کی ایسے ہی آخرت کے لیے بھی دُعا کی تو گویا ہم کو سبق سکھلاتے ہیں۔ اور اولاد عام ہے۔ خواہ اولاد حقیقی ہو یا مذہبی۔ بلکہ اولاد حقیقی بھی جب ہی اولاد ہوتی ہے کہ اتباع کرے چنانچہ ارشاد ہے مَنْ سَلَكَ[2] طَرِيْقِيْ فَهُوَ اِلَيَّ گو بعض لوگوں نے من سلك طریقی کو عام کیا ہے کہ جو شخص بھی متبع ہو وہ آل میں داخل ہے۔ خواہ نسباً آل ہو یا نہ ہو مگر

---

[1] غلطی پر مطلع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے یہاں بھی اور وہاں بھی عافیت اور امن طلب کرنا چاہیئے۔

ان کا کرم تو بہت وسیع ہے۔

[2] جو شخص میرے طریقہ پر چلے گا وہ میری اولاد ہے۔

Marfat.com

میرے خیال میں اتنا عام نہیں ہے۔ بلکہ صرف آل کو عام ہے پس مطلب یہ ہے کہ اولاد نسبتی میں معتد بہ[1] آل وہ ہے کہ اتباع کرے یعنی شرف تو صرف اولاد ہونے سے بھی ہوگا۔ لیکن پورا شرف اسی وقت ہوگا جب اتباع ہو تو مَنْ سَلَکَ[2] آل ہی کے لیے ہے۔ مگر آل ہی میں ایک قید معتبر ہے کہ معتد بہ درجہ میں شرف اسی وقت ہوگا۔ بہرحال انبیاء کی اولاد بھی وہی مقبول ہے کہ جو متابعت رکھتی ہو ورنہ ایسا ہے جیسے غلط لکھا ہوا قرآن کہ اس کا نہ ادب ہے نہ بی ادبی ادب تو اس لیے نہیں کہ وہ صحیح قرآن نہیں ہے۔ اور بے ادبی اس لیے نہیں کی جائے گی کہ کچھ تو قرآن کے اجزاء[3] ہیں۔ تو انبیاء کی زیادہ تر نظر اس پر ہے کہ دین کا نفع ہو۔ اور آل ہو تو ایسی ہو کہ وہ اُن کے قدم بقدم ہو تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا کی اور اس سے گویا ہم کو یہ سبق سکھلایا کہ اپنی اولاد کے لیے دنیا سے زیادہ اہتمام دین کا کرنا چاہیئے۔

(۱۲) ہم کو اولاد کے لیے دینی نفع کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے

اب ہم کو سبق لینا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ ہم کہاں تک اپنی اولاد کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ اپنی اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ زیادہ توجہ محض دنیا پر ہے

---

[1] شمار کے قابل [2] جو میرے راستہ پر چلے گا۔ [3] ایسے ہی یہاں بھی کچھ نہ کچھ نبی کا جزء ان میں ہے۔

Marfat.com

اس کی زیادہ کوشش ہوتی ہے کہ اولاد چار پیسے کمانے کے قابل ہو جاوے اور جب اس قابل بنا دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے حقوق واجبہ ادا کر چکے۔ آگے اپنی اصلاح یہ خود کر لیں گے۔ اور وجہ اس کی زیادہ تر یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے دین کی وقعت بالکل نکل گئی ہے۔ اس لیے ہمہ تن دنیا پر جھک پڑے ہیں

(۱۲) انبیاء اور اُن کے متبعین کو معاش و معاد دونوں کی عقل کامل عطا ہوتی ہے

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دُنیا کی ضرورتوں کی خبر نہ تھی۔ اس لیے اُن کو دُنیا کی طرف توجہ نہیں ہوئی تو عقل اور نقل دونوں اس شبہ کی تکذیب کر رہی ہیں۔ نقل تو یہی سابق دعا جو اپنی اولاد کے لیے انہوں نے فرمائی۔ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ اور عقل اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حق سبحانہ وتعالیٰ کے نائب ہیں۔ اور جیسے حق سبحانہٗ وتعالیٰ معاش اور معاد دونوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نائب بھی دونوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ کیونکہ ان حضرات کو اصلاح کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اصلاح جب تک ممکن نہیں جب تک کہ معاش اور معاد دونوں کی اصلاح نہ کی جائے۔ نیز تاریخ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

لہ دنیا و آخرت سے اور ان کو طرح طرح کے پھل رزق دیجیے۔

Marfat.com

کہ انبیاء کو عقل معاش بھی کامل ہوتی ہے مگر لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں۔

(۱۱۸) انبیاء و اولیاء کو عقل معاش ہونے کے معنی

عقل معاش ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ نوکریوں اور صنعتوں کے طریقے بتلا دیں۔ لوگ یہ سمجھ کر ہر ہر گوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ دُنیا سے بیخبر ہیں۔ باوجودیکہ دنیا کی ضرورت یقینی ہے۔ مگر یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ صاحبو یہ تسلیم ہے کہ دنیا کی ضرورت ہے۔ لیکن اوّل تو یہ غور کیجئے کہ ضرورت[1] کس کو کہتے ہیں۔ دوسرے معاش کے طریقے بتلانا اور اس پر ترغیب دینا یہ علماء کا کام نہیں ہے۔ دیکھو حکیم عبدالعزیز خاں، حکیم عبدالمجید خاں اپنے فن کے ماہر تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ وہ امراض کی تشخیص کریں۔ اب فرض کرو کہ ایک مریض ان کے پاس آیا حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر تپ دق تجویز کی اور اس کے لیے نسخہ لکھ دیا جب وہ نسخہ لے کر چلا تو رستے میں ایک موچی ملا اور اس مریض کی کیفیت دریافت کی۔ اس نے کہا کہ حکیم صاحب نے تپ دق[2] کہنہ تجویز کیا ہے کہنے لگا کہ حکیم صاحب نے جوتے کے متعلق کچھ کہا اس نے کہا کہ جوتے کے متعلق تو کچھ نہیں کہا کہنے لگا کہ وہ حکیم نہیں ہیں۔ ان کو اتنی ضرورت کی تو اطلاع ہی نہیں یہ نہ دیکھا کہ ایک شخص جوتے پہنے بیٹھا ہے اور یہ ننگے پیر ہے آخر اس کو جوتا پہننا چاہیئے یا نہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ اس موچی کی نسبت آپ

---

[1] وہ جس کے نہ ہونے سے جان و مال آبرو میں ضرر ہو۔ یہ بڑے چوڑے ساز و سامان ضرورت کے درجہ میں کہاں ہیں۔ [2] پرانا بخار۔

Marfat.com

کیا فتویٰ دیں گے۔ کیا اس کو عقلاء میں شمار کیا جاوے گا ہرگز نہیں بلکہ پاگل کہا جاوے گا۔ اس نے طبابت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور اس کے فرائض منصبی پہ اس کو اطلاع نہیں۔ البتہ حکیم پہ اس وقت الزام تھا کہ وہ نسخہ کے اندر بلا وجہ یہ لکھ دیتے کہ جوتہ نہ پہننا اور جب کہ وہ اس سے سکوت کرتے ہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں وہ اپنے فرض منصبی کو ادا کر چکے تو علماء پر دنیا کی ترغیب نہ دینے کا الزام اس وقت ہو سکتا تھا کہ جب ان کا فرض منصبی ترغیب دُنیا ہوتا یا وہ دنیا حاصل کرنے اور ادھر متوجہ ہونے سے روکتے اگر کہئے کہ علماء تو روکتے ہیں تو میں کہوں گا کہ یہ روکنا بلا وجہ نہیں اس روکنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حکیم عبدالمجید خاں کسی کو دیکھیں کہ اس نے اس طرح جوتی سلوائی کہ ٹانکے کھال کے اندر سے نکالے گئے ہیں۔ تو وہ اس طرح سے جوتہ سلوانیکو ضرور روکیں گے۔ کہ زخم کی سمیت[1] سے تمام بدن میں دوڑ جانے کا احتمال ہے۔ آپ لوگ بھی دُنیا کی جوتیاں اس طرح سلوا رہے ہیں کہ آپ کا دین برباد ہو رہا ہے۔ لہذا اب ان پر فرض ہے کہ وہ آپ کو منع کریں تو یہ منع کرنا بے وجہ نہ ہوگا۔

اگر بنشینم کہ نا بینا و چاہست اگر خاموش بنشینم گناہست

غرض علماء کی نسبت یہ تجویز کرنا کہ وہ دُنیا کی ترغیب دیں غلط ہے اور مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ سلف کو اپنی طرح معاش و معاد کا جامع سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ

---

[1] بے وجہ اور بالکل [2] زہر [3] اگر میں دیکھوں کہ اندھا ہے اور کنواں ہے۔ یعنی وہ اس میں گرنے والا ہے۔ اگر چپکا بیٹھ جاؤں تو یہ گناہ ہے۔

Marfat.com

غلط ہے۔ بتایئے کسی نبی نے کسی رفاہ عامہ نے کہیں دنیا کے حاصل کرنے کے طریقے لکھے ہیں۔ ایک جگہ بھی نہیں۔ البتہ اخلاق اعمال معاشرت پر گفتگو کی ہے یہ کسی نے نہیں بتلایا۔ کہ یوں ہل چلتا ہے۔ اور اس طرح بویا جاتا ہے۔ انبیاء اور رسلف کا کام یہ نہ تھا۔ ہاں معاش کا وہ حصہ جو مضر معاد ہو اس کو بتلا کر منع فرمایا ہے اور اس میں گفتگو کرنا ایسا ہے جیسے طبیب کسی مریض کو گوشت کھانے سے منع کرے تو حکیم کا کام بحالت ضرور منع کرنے کا تو ہے۔ لیکن گوشت کے پکانے کا طریقہ بتلانا یہ حکیم کا کام نہیں پس معاش کے متعلق انبیاء کی جو گفتگو ہے وہ یہ ہے کہ نافع کو مجملاً بتلا دیا اور مضر کو منع کر دیا۔ غرض انبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کے لیے اس کی رعایت کی ہے کہ دینی نفع ان کو زیادہ پہنچے اور دنیاوی نفع کے واسطے جو رعایت رکھتی ہے اس سے ان حضرات کا مذاق معلوم ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ[1] یعنی اے اللہ میرے اہلِ بلد کو ثمرات دے۔ مگر سب کو نہیں۔ بلکہ اہلِ ایمان کو تو فرمانبردار اولاد کے لیے دعا کی اس سے اندازہ کیجئے کہ امن کی نظر میں دین کس قدر عزیز ہے کہ باغی کے لیے دعا بھی گوارہ نہیں۔ اگرچہ خداوند تعالےٰ نے تخصیص نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا یعنی کچھ دنوں کے لیے دنیا میں کفار کو بھی عیش دوں گا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو عام فرمایا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوجہ کفار کے باغی ہونے کے ان کے لئے دعا نہیں فرمائی اس سے حضرت انبیاء علیہم السلام

---

[1] آخرت کو ضرر دینے والا ہو۔

Marfat.com

کے مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اہل اللہ کا ذوق ہے اور ہونا چاہیئے کہ باغیوں پر کچھ رحم نہ کریں نہ ان کے لئے دعا کریں اور خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرما کر کفار کے لئے دعا کرنے کا حکم نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ذوق مقبول ہے تو یہی مذاق ہونا چاہیئے۔ مطیعین کے لیے دعا کریں اور باغیوں کو خدا کے سپرد کر دیں۔

(۱۱۹) ذمّ قلت اہتمام دین و معنی دیندار

مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی ہے اس کا مضمون قابل غور ہے اور اس وقت اس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا چونکہ ہم میں اسوقت ایک بہت بڑا مرض کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے وہی اصلی مرض ہے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی قلت اہتمام دین اور یہ وہ مرض ہے کہ اس کی بدولت آج ہم مسلمان کہلانے کے قابل نہیں رہے اس کی بدولت اکثر حصہ دین کا ہم سے نکل گیا۔ دیکھو مالدار وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس کافی سے بھی کچھ زیادہ مال ہو اور جس کے پاس دو چار پیسے ہوں وہ مالدار نہیں کہلاتا۔ ورنہ چاہیئے کہ ساری دنیا مالدار کہلانے لگے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دو قسمیں کہلائی جاتی ہیں۔ ایک غریب ایک امیر تو جیسے مالدار وہ شخص ہے کہ جس کے پاس[1] وافر روپیہ ہو اسی طرح ایماندار بھی وہی ہے جو عقائد اور اعمال وغیرہ میں پوری

---

[1] دین کا اہتمام کم ہونے کی برائی ۱۲ بہت

Marfat.com

طرح شریعت کا متبع ہو۔

(۱۲۰) حدیث من قال لا الہ الا اللہ کے فہم میں بعض لوگوں کی ایک غلطی اور اس کا ازالہ

اور یہ ایمان کچھ ایمان نہیں ہے جس کو اکثر لوگوں نے مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ سے سمجھ رکھا ہے۔ اگرچہ یہ کلمہ واقع میں صحیح ہے۔ لیکن اس وقت اس کو پیش کرکے جو مقصود ثابت کیا جاتا ہے اس کے اعتبار سے کلمۃ حق ارید بہ الباطل کہا جا سکتا ہے تو پہلی غلطی یہ ہے کہ اعمال کو ناقابل شمار سمجھتے ہیں دوسرے یہ کہ خود ایمان کے کلمہ میں بھی اختصار کیا ہے۔ یعنی بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محمد رسول اللہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں (نعوذ باللہ) میں نے خود یہ تقریریں چھپی ہوئی دیکھی ہیں کہ رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں نے حدیث سے ضرورت رسالت پر استدلال کیا ہے مجھ سے ایک سفر میں اس کے متعلق ایک صاحب نے دریافت کیا کہ وہ بھی اس مرض میں مبتلا تھے میں نے کہا کہ آپ یہ بتلایئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یٰسین پڑھتا ہوں تو اس یٰسین پڑھنے کے کیا معنی ہیں، آیا یہ کہ صرف یہ کلمہ پڑھتا ہوں یٰسین یٰسین یا یہ کہ ساری سورت پڑھتا

لہ بخاری و مسلم سے جو لا الہ الا اللہ کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ سے بات تو حق ہے اس سے باطل مراد لے لیا گیا۔

Marfat.com

ہوں کہنے لگے کہ یٰسین پڑھنے کے معنی تو ساری سورت پڑھنے کے ہیں۔ میں نے کہا کہ اسی طرح لا الہ الا اللہ پڑھنے کے معنی سارا کلمہ پڑھنے کے ہیں۔ دلالت کے لیئے صرف جز کا اطلاق کافی ہے دوسرے جزو پر بوجہ ملازمت[1] کے خود دلالت ہو جائے گی۔ ان لوگوں کے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے معنی سمجھنے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔

حکایت :- ایک طالب علم نے میرے پاس خط بھیجا کہ مجھ کو فلاں تردد ہے اس کیلئے کوئی دعا بتلا دیجئے۔ میں نے کہا کہ لاحول پڑھا کرو۔ چند روز کے بعد مجھ سے ملے اور پھر شکایت کی میں نے پوچھا اس سے قبل میں نے کیا بتلایا تھا کہنے لگا کہ لاحول پڑھنے کو بتلایا تھا۔ سو میں پڑھتا ہوں۔ اتفاقاً میں نے یہ سوال کیا کہ کس طرح پڑھا کرتے ہو کہنے لگا کہ یوں کہتا ہوں لاحول۔ لاحول۔ لاحول دہلم جرا تو جیسے یہ بزرگ لاحول پڑھنے کے یہ معنی سمجھے کہ صرف لفظ لاحول کو پڑھ لیا جائے حالانکہ لاحول اس پورے کلمہ کا لقب ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی لا الہ الا اللہ سے صرف یہی جملہ سمجھا۔ حالانکہ لا الہ الا اللہ سے وہی مراد ہے جس کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہو۔ لہذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ نیز دوسرے دلائل پر بھی تو نظر ہونی چاہیئے۔ مشکوٰۃ میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث میں ہے شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ تو اس انہماک فی الدنیا کے سبب سے اس قسم کی غلطیاں کر رہے ہیں پس ان کا علاج یہ ہے کہ دین کی طرف توجہ کریں۔

---

[1] لازم ہونیکی وجہ سے [2] آگے تک اور [3] اسکی دل سے گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے پیغامبر ہیں۔ یہ اس سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ اسلام کیا ہے۔

Marfat.com

اور علوم دینیہ حاصل کریں۔

حکایت :- اسی خیال کے ایک اور صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ رسالت کے اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف توحید کا اقرار نجات کے لیے کافی ہے میں نے کہا کہ اوّل تو دلائل عقلیہ و نقلیہ جو رسالت کے ضروری ہونے پر قائم ہیں وہ تمہارے مکذب[1] ہیں۔ دوسرے رسالت کا انکار کرنے سے خدا تعالیٰ کی خدائی کا بھی انکار ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کے ماننے کے یہ معنی ہیں کہ ان کو صرف موجود مان لیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ اُن کو کمال ذات و صفات میں یکتا سمجھے کیونکہ یہ مسئلہ[2] اجماعیہ ہے کہ اگر ذات کا قائل ہو لیکن صفات کا قائل نہ ہو تو وہ کافر ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کو بادشاہ تو مانے لیکن اس کے اختیارات شاہی نہ مانے تو کیا ایسے شخص کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کو مانا کبھی نہیں تو خدا تعالیٰ کے ماننے اور توحید کے مُقِر ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ہر صفت کمال کے ساتھ علی وجہ[3] الکمال اتصاف سمجھے کہنے لگے کہ بیشک یہ تو ضروری ہے میں نے کہا کہ صفات کمال میں سے ایک صفت صدق بھی ہے اس کے ساتھ بھی متصف ماننا ضروری ہو گا۔ کہنے لگے کہ ہاں ضروری ہو گا۔ میں نے کہا کہ قرآن شریف میں موجود ہے محمد رسول اللہ پس اس کا ماننا ضروری ہوا اور جو اس کو نہ مانے گا وہ موحد بھی نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے صدق کو نہ مانا جس کا ماننا ضروری تھا اور میں نے کہا کہ دس برس کی

---

[1] جھوٹ کو ثابت کرنے والی [2] تمام امت کا اس پر اجماع ہے [3] کمال کی ہر صفت کے ساتھ پوری طرح موصوف ہونا۔

Marfat.com

مہلت جواب لے لیے دیتا ہوں۔

(۱۲۱) بعض لوگ اعمال میں بھی اختصار کرتے ہیں

یہ تو عقائد میں اختصار تھا جس کی مثالیں آپ نے سن لیں۔ اسی طرح اعمال میں اختصار کر لیا ہے کہ بعض تو اعمال کی فرضیت ہی کے منکر ہیں۔ اور بعض منکر تو نہیں مگر عملاً مثل منکرین کے ہیں۔ تو ان دونوں قسم کے لوگوں کی غلطی قرآن کی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔ رہا من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ سو اس کے معنی کے لئے ایک مثال عرض کیا کرتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح کرے تو نکاح میں محض ایجاب و قبول دو لفظ ہوتے ہیں۔ پس اگر ایجاب و قبول کے بعد بیوی اپنے خورد و نوش کے لیے مطالبہ کرے اور شوہر کہے کہ میں نے ان چیزوں کا دینا قبول نہیں کیا تھا تو وہ اس کا کیا جواب دے گی۔ ظاہر ہے کہ یہی جواب دے گی کہ اگرچہ تم نے ہر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ قبول نہیں کیا۔ لیکن میرا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے۔ اب میں ان معترضین سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ بھی اس مجلسِ گفتگو میں موجود ہوں تو کیا کہیں گے یہی کہیں گے کہ یہ ایک قبول ہی سب کا قائم مقام ہے تو جب لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو سب عقائد اور اعمال کا ذمہ لے لیا تو اس حدیث کا یہ مدلول ہے کہ اب چاہے اعمال کو جزو[1] ایمان کہا جائے یا اس سے خارج مگر

---

[1] یعنی چاہے ایمان عقیدہ و عمل دونوں کے مجموعہ کا نام ہو تو عمل ایمان کا ایک جزو ہوگا جیسے کہ بہت سے علمائے امت کا یہ قول ہے یا ایمان صرف عقیدہ کا نام ہو اور عمل اسکیلئے شرط اور لازم ہو جو دوسرے علماء کا قول ہے دونوں قولوں پر لا الہ الا اللہ کہنا عقیدوں اور عملوں کی پابندی کا اقرار کرنا ہے۔

Marfat.com

لازم لیکن ایمان میں اختصار سخت غلطی ہے۔ ایمان جب ہی کہلائے گا کہ جب اس کی شان پائی جائے۔ ہم لوگ مسلم کہلاتے ہیں۔ مگر غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ ہماری حالت اسلام سے کسقدر قریب اور اس کے کتنی مناسب ہے جیسے میں نے مثال دی ہے کہ مالدار اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ ہو یہی حالت اسلام کی ہے تو ہمکو اپنی حالت دیکھنی چاہیئے کہ کس قدر دین سے بے اعتنائی ہوگئی ہے کہ نہ عقائد کی پروا نہ اعمال کی فکر نہ حسن معاشرت کا خیال نہ بداخلاقی پر رنج۔

(۱۲۲) دعائے ابراہیمی کی شرح

سو دیکھ لیجئے کہ دعا ابراہیمی میں کن کن اجزاء ایمان کو ضروری کہا گیا ہے فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے میں ایک رسول بھیجیے جن کی صفت یہ ہو کہ ان[۱] لوگوں کو آپ کے احکام سنادیں۔ اور یہ شان ہو کہ ان[۲] کو کتاب اور حکمت تعلیم کریں۔ اور ان[۳] کا تزکیہ[۱] کریں رذائل سے بیشک آپ قادر ہیں۔ اور حکیم ہیں۔ کہ موافق کے حکمت کرتے ہیں۔ اور ایسا کرنا مصلحت ہے تو آپ اس کو ضرور قبول فرمائیں گے۔ اس آیت کے ترجمے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ رسول کی تین صفتیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ اور ان رسول[۴] سے مراد ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ داعی[۵] حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ رسول ان دونوں حضرات کی اولاد میں ہونا چاہیئے۔ اور ہر چند کہ

---

[۱] بری عادتوں سے پاک صاف کردیں [۲] دعا مانگنے والے دو ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی متعدد انبیاء ہوئے۔ مگر وہ بسلسلہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ہوئے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سلسلہ میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لہٰذا آپ ہی مراد ہوئے اور دیگر دعاؤں میں بعثت رسول کی دعا کرنا ایک بڑی رحمت کاملہ کا مانگنا ہے۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یوں کہتے کہ اُن کو پاک کیجئے۔ اور ان کو کتاب دیجئے اور اُن کو قبول کیجئے۔

(۱۲۳) تعلیم بواسطہ وحی تعلیم بلا واسطہ سے افضل ہے

لیکن تعلیم بواسطہ وحی اس تعلیم سے افضل ہے جو کہ بلا واسطہ وحی کے بذریعہ الہام کے ہو اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم بلا واسطہ زیادہ قرب کا ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اکثر عوام اور بعض خواص کی یہ رائے قائم ہو گئی ہے کہ اور یہاں تک اسکا اثر ہوا ہے کہ انبیاء کی تعلیم کی بھی وہ قدر نہیں کی جاتی جس قدر کسی بزرگ کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے۔

حکایت :۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور اپنی عسرت اور قرض کو بیان کیا اور کہا کہ کوئی دعا بتلا دیجئے کہ قرض ادا ہو جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ

---

۱ و ۲ وجہ اگلے مضمون ۱۲۴ میں ہے ۳ اے اللہ مجھے آپ کافی ہو جائیے اپنے حلال کے ساتھ حرام سے اور اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔

Marfat.com

عَمَّنْ سِوَاكَ اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث میں وارد ہوئی ہے۔
حدیث کا نام سُنکر اس شخص کی یہ کیفیت ہوئی کہ جیسے سر پر پڑ گیا ہو اور کہنے لگا
کہ حدیث میں تو بہت سی دعائیں ہیں آپ اپنے پاس سے کوئی چیز بتلایئے جو کہ
سینہ بسینہ چلی آتی ہو۔ یہ فاسقانہ کلمہ سنکر مولانا کو بہت ہی غصہ آیا اور آپ نے
فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر دوسروں کی تعلیم کو ترجیح دیتا ہے تو یہ
اسی خیال کا اثر ہے جس کے باعث حضورؐ کی تعلیم پر کفایت نہ ہوئی۔ آپ نے
دیکھا ہوگا کہ جاہل عابد جس شوق سے وظیفہ یا نفلیں پیر کی بتلائی ہوئی پڑھتے
ہیں قرآن شریف اور پانچ وقت کی نماز اس شوق سے نہیں پڑھتے۔
حکایت :۔ ایک شخص نے مجھ سے فخراً کہا کہ اگرچہ کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے
لیکن پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ کبھی قضا نہیں ہوتا اس کے معنی یہ ہیں کہ حضورؐ سے اسقدر
تعلق نہیں ہے جسقدر کہ پیر سے ہے اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اگر پیر سے تعلق نہ ہو
تو حضورؐ سے کم تعلق ہوگا۔ لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے تعلق سے بھی بڑھ جائے ؏

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

غرض یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ الہام بلا واسطہ ہے اور وحی بواسطہ ہے تو
جس میں واسطہ کم ہوگا اس میں زیادہ قرب ہوگا۔ مگر شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ تعلیم
بواسطہ تعلیم بلا واسطہ سے افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ تعلیم بواسطہ

سلہ ترمذی بیہقی سرہ اگر مرتبوں کا فرق نہ کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔

Marfat.com

میں واسطہ کس کا ہے۔ اگر واسطہ کسی معمولی شخص کا ہو تو بیشک بلا واسطہ تعلیم افضل ہے۔ لیکن جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہے تو اتنے بڑے واسطہ کے ذریعہ سے جو تعلیم ہوگی وہ افضل ہوگی۔

(۱۲۴) علم بواسطہ وحی کے علم بلا واسطہ سے افضل ہونے کا راز

اور راز اس میں یہ ہے کہ جو علم بلا واسطہ وحی کے ہو اس میں غلطی کا احتمال بوجہ نقصان استعداد کے زیادہ ہے۔ اور بواسطہ وحی تعلیم میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ رہا حضور سے ہم تک پہنچنے کا واسطہ سو اس میں چونکہ ثقات ہیں ان میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ ایک تو یہ تفاوت ہے۔ دوسرے ایک لطیف تفاوت ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تو جو تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے ہوگی اس میں ابتلاء کا احتمال نہ ہوگا۔ برخلاف بلا واسطہ کے اس میں احتمال ابتلاء کا ہوتا ہے۔

حکایت:۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو فرما رہے ہیں کہ شراب پی اس نے علماء سے کہا انہوں نے کہا کہ شراب حرام

ہ حاصل کرنے کی قابلیت۔ کے کم ہونے کی وجہ سے ۲ بھروسہ کے لینی اگر اتنے اتنے ہیں کہ عقل اُن کے جھوٹا ہونے کو محال سمجھے تو یقینی ہے۔ اگر دو دو یا زائد ہوں تو دو کی شہادت ہر جگہ معتبر ہے اگر کہیں ایک بھی رہ جائے تو اس کے لیے نیک اور سچا ہونا شرط ہے وہ بھی بھروسہ کا ہے ۳ غلطی میں پڑنے کا اور امتحان کا۔

Marfat.com

ہے تجھ کو خواب پورا یاد نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ شراب سے مراد محبت الٰہی ہو تو دیکھئے چونکہ بلا واسطہ یہ تعلیم تھی اس میں ابتلا ہوا کہ دیکھئے یہ سمجھتا ہے کہ نہیں اور حضور کے ذریعہ سے جو علوم ہوتے ہیں ان میں یہ بات نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خواب میں دیکھے اس میں یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ یہ شیطان ہو گا۔ کیونکہ آپؐ کی شان محض ہدایت کی ہے لہٰذا اس میں یہ اختلاط نہیں ہو سکتا بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان خواب میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نبی ہوں وجہ یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ حکمتؑ ابتلاء کے لیے صفت مضل کے ساتھ بھی متصف ہے۔ دوسرے اوّل صورت میں تلبیہ ممکن ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ منزہ ہے اور جس کو خواب میں دیکھا ہے وہ منزہ نہیں ہے اور دوسری صورت میں تلبیہ ممکن نہ تھا اس لیے آپ کے واسطے کو تمام خطرات سے محفوظ رکھا تو معلوم ہوا کہ حضور کا واسطہ ایک بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے بجائے کتاب وغیرہ براہ راست مانگنے کے حضورؐ کو واسطہ قرار دیا نیز اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت مجبولؑ ہے کہ اپنی نبی نوع کو دیکھ کر اقتدا کرتے ہیں۔ یعنی اس کو ایک نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی فرق ہے اس میں اور جانوروں میں۔ کہ جانوروں کو ضروریات کی تعلیم کی حاجت نہیں۔ غرض جانوروں میں جو کچھ کمالات ہیں

لہ حدیث میں ہے کہ شیطان حضورؐ کی صورت میں نہیں آسکتا۔ سہ امتحان کی حکمت کے لیے گمراہ کرنے والا ہونے کی صفت سے موصوف سہ اس پر پیدا ہوئی۔

Marfat.com

وہ طبعی[1] ہیں۔ اکتسابی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگتا ہے اور ایک بڑے سے بڑے تیراک شخص کا بچہ تیراک نہ ہوگا۔ کمالات انسان کے طبعی نہیں بلکہ ان کو ایک نمونہ دیکھنے کی ضرورت ہے اور ضرورتِ نمونہ ہی باعث ہے کہ انسان کو تعلیم کتب سے بھی اس قدر نفع نہیں ہوتا جسقدر کاملین کی صحبت سے ہوتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت ہے۔

۱۲۵۔ بچپن ہی سے صحبت نیک کا اہتمام ضروری ہے۔

اکثر لوگ اپنی اولاد کے لیے تمام آسائشوں کی فکر کرتے ہیں۔ مگر اس کی ذرا پروا نہیں کرتے کہ صحبت بھی نیک ہو بلکہ اکثر بداخلاق معلموں کے سپرد کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگرچہ یہ ناقص ہیں۔ لیکن ابھی بچپن ہے کیا حرج ہے حالانکہ یہ تجربہ ہے کہ اگر مبادی[2] خراب ہوں تو مقاصد بھی خراب ہوتے ہیں۔ یاد رکھو کہ خاک[3] از تو تودۂ کلاں بردار یہ ضرور ہے کہ اگر کامل سے سیکھے گا تو گو کامل نہ ہو جائے گا۔ لیکن ذی استعداد ہو جائے گا۔ کیونکہ کامل آدمی فن کی حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہے بخلاف ناقص کے اور یہ تو علمی ضرر ہے جس پر کم و بیش توجہ بھی ہے مگر بڑا ضرر یہ ہے کہ ناقص کی صحبت میں اخلاق بالکل برباد ہوتے ہیں۔ اس پر لوگوں کو ذرا توجہ نہیں۔

---

[1] طبیعت میں پیدا کئے ہوئے ہیں کہیں سے حاصل کئے ہوئے نہیں۔ [2] بنیادیں یا ابتدا کی باتیں [3] مٹی بڑے ٹیلے سے اٹھاؤ۔

Marfat.com

حکایت :۔ ہمارے یہاں ایک معلّم ہیں ان کی نسبت سُنا گیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو دوسرے معلّم کے ہاں بھیجتے ہیں کہ جا کر اس کے مکتب کی چٹائیاں توڑ ڈالیں۔ بتلایئے جب بچپن سے ہی یہ حالت ہو گی تو بڑے ہو کر ان کی کیا اصلاح ہو گی مگر اس پر بالکل خیال نہیں۔ بلکہ اکثر کہتے ہیں کہ بچّہ وہی ہے جو کہ شوخ ہو حالانکہ شوخی دوسری چیز ہے اور شرارت دوسری چیز ہے غرض انسان اپنے ابنائے نوع[1] سے سبق لیتا ہے جو حالت دوسرے کی دیکھتا ہے وہی خود اختیار کرتا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو علاج کرانے کے لیے ایک طبیب کے پاس لے گیا ان کو میں نے دیکھا کہ بیحد متحمل تھے۔ باوجودیکہ بیحد نازک مزاج تھے تو میں چونکہ اُن کے پاس جاتا تھا اس لیے میرا غصّہ کم ہو گیا تھا۔ میں نے غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ محض پاس بیٹھنے کا اثر ہے تو بہت اچھا طریقہ تربیت کا صحبت ہے۔ اب لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی عمر کو پہنچ کر خود ہی سنبھل جائیں گے۔ یہ غلط ہے بچہ بولنے پر بھی قادر نہیں ہوتا۔ اسی وقت سے اس کے دماغ میں دوسروں کی تمام حرکات منقش ہوتی ہیں اور وہ ان سے متاثر ہوتا ہے اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ بچّے کے سامنے کوئی حرکت خلاف تہذیب نہ کرنی چاہیئے راز اس میں یہی ہے کہ انسان کے دماغ کی مثال پریس کی سی ہے کہ کاپی لکھ کر جب لگاؤ تو چھپ جائے گا اسی طرح جو چیز دماغ انسان کے روبرو ہوتی ہے وہ اس میں منقش ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس وقت شعور نہیں ہوتا لیکن اس انتقاش[2] کے لیے

---

[1] اپنی نوع اور قسم والوں سے [2] جم جانی [3] نقش ہونا جم جانا۔

Marfat.com

شعور کی ضرورت نہیں ہے اگر ہم پریس میں انگریزی چھاپ لیں اور پھر انگریزی سیکھ لیں تو چند روز کے بعد ضرور پڑھ لیں گے۔ علیٰ ہذا اگرچہ بچہ اس وقت نہیں سمجھ سکتا لیکن بڑا ہو کر سمجھے گا چنانچہ ایک عاقل عورت نے یہ کہا ہے کہ پانچ چھ برس کے بعد بچہ قابل تربیت نہیں رہتا ہے بلکہ ہر حالت پختہ ہو جاتی ہے وہ کہتی تھی کہ اگر پہلے بچے کو درست کر دے تو اس کے بعد سب بچے اسی سانچے میں ڈھل جائیں گے غرض معلوم ہوا ہو گا کہ صحبت کا کیا اثر ہے تو جناب باری تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے یوں دعا کرائی کہ ان میں ایک پیغمبر بھیجئے اور پھر آپ کو مبعوث فرمایا کہ آپ ممنونہ ہوں سو بعض نے آپ کو دیکھا اور بعض نے آپ کی سیرت دیکھ کر آپ کی حالت معلوم کی اور اسی طرح آپ ہمارے بھی پیش نظر ہیں اور اس اعتبار سے اگر فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ کو عام لیا جائے تو درست ہو گا۔

(۱۲۶) حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جزئیہ کا اتباع بہ نسبت قوانین کلیہ کے سہل تر ہے

واقعی آپ کی سیرت کو دیکھ کر جس قدر آسانی سے ہم اتباع کر سکتے ہیں قوانین کلیہ

لہ اور سات برس کی عمر میں عقل بھی قائم ہو جاتی ہے اسی لیے سات سال کے بچہ کو نماز کا حکم کرنے کا ارشاد ہے اور اسی عمر کے بعد بچہ ماں کی پرورش کا محتاج نہیں رہتا۔ باپ کو لینے کا شرعاً حق ہے

سلہ۔ تمہارے اندر انکے رسول ہیں۔ یہ صحابہ کے لئے خاص نہیں بلکہ ایسے عام ہے کہ اب ہمارے اندر بھی باعتبار سیرت کے ہیں سلہ سیرت کی جمع ہے یعنی حضور کی ایک ایک روش اور طور طریق کی پیروی نسبت کلی قاعدوں کے زیادہ آسان ہے۔

Marfat.com

کو دیکھ کر نہیں کر سکتے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آپ ہمارے لیے نمونہ ہیں تو ہم سے بھی باز پرس ہو گی کہ تم اس نمونہ کے موافق بن کر کیوں نہیں آئے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ہم کسی درزی سے اچکن سلوائیں اور نمونہ کے لیے اپنی اچکن اس کو دیں تو اس اچکن کے دینے کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ جدید اچکن کی کاٹ تراش سلائی وغیرہ سب اس پہلے کے مطابق ہو اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ تراش وغیرہ میں فرق ہو جائے تو درزی کو مستحق عتاب سمجھا جاتا ہے۔ اس عتاب کے جواب میں اگر وہ یہ کہنے لگے کہ زیادہ تر تو موافق نمونہ کے ہے اور للاکثر[1] حکم الکل تو ہرگز یہ جواب مسموع نہیں ہوتا تو جو برتاؤ آپ نے اس درزی سے کیا اسی کے لیے آپ خدا تعالےٰ کے سامنے تیار ہو جائیے۔ اور سوچ لیجئے کہ جب آپ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور نمونہ نبوی پہ پورے نہ اتریں گے تو کس سخت عذاب کے سزاوار ہوں گے۔ اسی کو خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کہ بالکل اس نمونہ جیسے بن جاؤ نماز ایسی ہو جیسی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روزہ وہی ہو۔ نکاح۔ شادی کا طرز وہی ہو علیٰ ہذا ہر چیز میں وہی طرز ہو جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز تھا۔ یہ تو نمونہ ہے۔ لیکن یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اس نمونہ میں وسعت کر دی۔

---

[1] زیادہ کے لیے کل کا ہی حکم ہوتا ہے [2] بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

Marfat.com

(۱۲۷) قرآن شریف میں مقصود اصلی خدا تعالیٰ کی رضاجوئی کی تعلیم ہے حکایتیں وغیرہ مقصود نہیں ہیں

قرآن شریف میں اصل مقصود خدا تعالیٰ کی رضاجوئی کے طریقوں کا بیان کرنا ہے اور اگر حکایتیں قرآن میں ہیں تو وہ بھی تابع ہو کر ذکر کی گئی ہیں کہ فلاں قوم نے یہ کیا تھا تو ان کو یہ سزا ملی اور فلاں قوم نے یہ کیا تھا ان کو یہ اجر ملا یعنی ہم اگر ایسا کریں تو ہم کو بھی ایسی ہی سزا یا اجر ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جملے[1] خبریہ ہیں ان سے مقصود بھی انشائیہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بھی یہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعتناء فی الدین نہایت ضروری ہے جس کی تفصیل آیت میں ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے ہمارے رب ہماری اولاد میں سے ایک رسول پیدا کر کہ وہ ان کو تیری آیات سنا دے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے اور ان کو پاک کرے۔ اس حکایت کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سننے والو سمجھ جاؤ کہ ضروری چیزیں یہ ہیں جن کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور سمجھ کر ہم سے دعا کی۔

(۱۲۸) دین کے اجزاء

اب سمجھنا چاہیئے کہ وہ ضروری چیزیں کیا ہیں۔ سو وہ مفصلاً تو تین چیزیں

---

[1] جملے ۲ یعنی صرف خبر دینا ہی مقصود نہیں بلکہ ہم کو حکم ہے کہ ایسا کرو۔

Marfat.com

یَتْلُوْا اور یُعَلِّمُ اور یُزَکِّیْ۔ اور مجملاً ایک چیز ہے جس کو دین کہتے ہیں کیونکہ یہ سب دین ہی کے شعبے ہیں۔ اس لیے کہ دین مرکب ہے دو چیزوں سے ایک علم اور دوسرا عمل۔ جیسے فنِ طب کہ اس میں اوّل علم کی ضرورت ہوتی ہے پھر عمل کی۔

(۱۲۹) قرآن کا طبِ روحانی ہونا اور وہ مرض جس کا وہ علاج ہے۔

تو قرآن بھی اصل میں طبِ روحانی ہے کہ اس میں روحانی امراض کے قواعد اور جزئیات بتلائے گئے ہیں۔ امراض خواہ متعلق قلب کے ہوں یا جوارح کے اور امراضِ قلب کا مرض ہونا حواس سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ وجدان سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب تک وجدان صحیح نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی اطلاع بالدلیل ہوتی ہے وہ دلیل یہ ہے کہ اطاعت خداوندی صراطِ مستقیم ہے اور صراطِ مستقیم سے خارج ہونا اعتدال سے خارج ہونا ہے۔ کیونکہ خطِ مستقیم ایک ہی خط ہوتا ہے۔ یعنی اگر دو نقطوں کے درمیان بہت سے خطوط سے اتصال کیا جائے تو ان خطوط میں خطِ مستقیم ایک ہی ہوگا جو کہ سب سے اقصر ہوگا۔ باقی سب ٹیڑھے ہوں گے۔ اور اعتدال سے خارج ہونا مرض

لہ آیاتِ الٰہی کی تلاوت۔ کتاب اللہ اور حکمت رارشادات نبوی) کی تعلیم۔ اور تزکیہ عادتوں سے پاک کرنا ۲ روح کی بیماریوں کا علاج ۳ ظاہری اعضا ہاتھ۔ پیر زبان آنکھ ناک، کان وغیرہ ۴ چھوٹا۔ مثلاً (۱) مستقیم یعنی سیدھا سب سے چھوٹا ہے۔

Marfat.com

ہے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنا مرض ہوا اور اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ سب طریقوں سے مختصر طریق اور اقصر طریق شریعت اسلامی ہے۔ اس اعتدال سے جب کوئی خارج ہوگا وہ مریض کہلاوے گا۔ اور قرآن میں اس کو مرض کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اس کی تفسیر جب تک کہ وجدان صحیح نہ ہو سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ اس کے مرض ہونے کی صفت امر مبطن[1] ہے جو حواس سے ادراک نہیں ہوتا۔ لیکن جب وجدان صحیح ہو جاتا ہے تو اس کا مرض ہونا وجدان سے معلوم ہو جاتا ہے جیسے امراض ظاہری کی حالت ہے کہ بعض اوقات وجدان سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات نہیں ہوتا تو جیسے امراض طبیہ میں بعض امراض وجدانی ہیں اسی طرح امراض باطنی بھی وجدانی ہیں جب وجدان صحیح ہوتا ہے۔ تو ان کا ادراک ہوتا ہے اور اس کا ایک امتحان بتلاتا ہوں وہ یہ کہ جب کبھی کوئی گناہ ہو جائے۔ تو دیکھے کیسی تکلیف اور رنج ہوتا ہے اور اپنے نفس کو انسان کیسی ملامت کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم کو تو کبھی بھی رنج نہیں ہوتا۔ دن رات گناہ کرتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی تکلیف و رنج کا احساس نہیں ہوتا تو میں کہوں گا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ابتدا سے آج تک یہ شخص مرض ہی میں مبتلا ہے صحت کبھی نصیب ہی نہیں ہوئی کہ اس کی راحت کا ادراک ہو اور اس سے مرض گناہ کی کلفت کا احساس[2] ہو اس شخص کی ایسی مثال ہے جیسے ایک اندھا

---

[1] ان دلوں میں بیماری ہے [2] چھپی ہوئی بات [3] چنانچہ جو گناہ عمر بھر میں پہلی بار ہوتا ہے۔ اس میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔

Marfat.com

مادرزاد کہ اس کو بھی ادراک نہیں ہو سکتا کہ میں اندھا ہوں کیونکہ عمی[1] عدم البصر کو کہتے ہیں۔ تو جس کو بصر کا ادراک نہ ہوگا۔ اس کو عمی کا ادراک کیونکر ہوگا تو مریض بھی اپنے کو وہی سمجھے گا اور مرض کی کلفت بھی اسی کو ہوگی جس نے کبھی صحت دیکھی ہو پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم کو تو کبھی تکدر[2] نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کو کبھی انشراح ہی نہیں ہوا اس کو چاہیئے کہ انشراح پیدا کرے اس کے بعد دیکھے کہ اگر کبھی کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس میں کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ کم از کم یہی کرے کہ امتحان ہی کے لیے ایک ہفتہ کی رخصت اپنے معمولی کاموں سے لے اور کسی صاحب برکت کے پاس جا کر رہے اور اس سے اللہ کا نام پوچھ کر جس طرح وہ تبلائے لیتا رہے ایک ہفتہ تک کام میں مشغول ہونے کے بعد دیکھے گا کہ دل کی ایک نئی حالت ہو گئی جو کہ اس کے قبل نہ تھی۔ اس کو محفوظ رکھے پھر دیکھے کہ پہلی حالت اور اس جدید حالت میں کوئی فرق ہے یا نہیں واللہ آپ دیکھیں گے کہ پہلی حالت نہایت مکدر تھی اور اب ایک صحت نصیب ہو گئی ہے۔ اور ایک قسم کا انشراح قلب ہے۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ جب وجدان صحیح ہو جاتا ہے تو وجدان سے اس کا مرض ہونا معلوم ہو جاتا ہے تو اس کی

---

[1] اندھا پن تو بینائی نہ ہونے کو کہتے ہیں تو جس کو بینائی کی خبر ہی نہیں کہ کیسی ہوتی ہے۔ اس کو اس کے نہ ہونے اور اندھے پن کی بھی خبر نہیں ہو سکتی۔ ہاں جو پہلے بینا ہو پھر اندھا ہو گیا ہو اس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ بینا ہونا کیا تھا اور اندھا ہونا کیا ہے

[2] دل کا کھلنا اور نورانی ہونا۔

Marfat.com

کوشش کیجئے کہ وجدان صحیح ہو تاکہ مرض کا مرض ہونا تو معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد علاج پر توجہ ہو دیکھیے۔ اگر معمولی زکام ہو جاتا ہے تو اس کے لیے کس قدر اہتمام کیا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا مرض ہم لوگوں کو لگ رہا ہے۔ کہ ہماری روح اس میں تحلیل ہو رہی ہے۔ لیکن ہم کو ذرا فکر نہیں ہے۔

(۱۳۰) قرآن شریف نے ہم کو مرض نافرمانی کا کیا علاج بتلایا ہے

قرآن شریف نے ہم کو اس کا علاج بتلایا ہے اور اس کے مضار پر اطلاع دی ہے تو قرآن مطب روحانی ہے۔ اس میں صرف یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک علم اور دوسرا عمل یُزَکِّیْ میں عمل کی طرف اشارہ ہے اور یُعَلِّمُ میں علم کی طرف۔ حاصل یہ ہوا کہ سننے والو اہتمام کے قابل دو چیزیں ہیں۔ علم اور عمل ان ہی کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا پھر علم میں دو مرتبہ ہیں ایک الفاظ اور ایک معانی۔ کیونکہ کسی چیز کے جاننے کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس میں کچھ الفاظ ہوتے ہیں اور کچھ ان الفاظ کے معانی خواہ اردو میں ہو یا عربی میں خواہ زبانی علم ہو یا کتاب سے تو گویا ترتیب کسی فن کے جاننے کی یہ ہوتی ہے کہ اول الفاظ کا تحقق ہوتا ہے۔ اور پھر دلالت علی المعانی اور پھر ان کی حقیقت کا انکشاف اور پھر عمل مثلاً اگر کسی طبیب سے کوئی نسخہ دریافت کیا تو اول اس کے الفاظ معلوم ہوئے۔

۱؎ مضرتوں پر ۲؎ بری عادتوں سے پاک کرتے ہیں۔ ۳؎ قرآن و حکمت سکھاتے ہیں
۴؎ پہلے لفظ دماغ میں آتے ہیں پھر لفظوں کے معنے کو ظاہر کرنا آتا ہے پھر معنی کی حقیقت کا کھلنا ہوتا ہے۔

Marfat.com

پھر ان الفاظ سے معانی پہ دلالت ہوئی پھر ان کی حقیقت کا انکشاف ہوا ان سب مراتب کے بعد اس نسخے پر عمل کیا گیا یہی ترتیب عقلی دین میں بھی ہے۔

(۱۳۱) خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دین کو آسان صورت میں بھیجا ہے

خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے دین کی کوئی عجیب شکل نہیں بنائی بلکہ جو ترتیب ہمارے روزمرہ کے امور میں ہے وہی ترتیب اس میں بھی رکھی کہ سہولت ہو حالانکہ دین وہ چیز ہے کہ اگر اس کا ڈھنگ بالکل نرالا اور سخت بھی ہوتا تب بھی اس کو بکوشش حاصل کرنا چاہیئے تھا۔

(۱۳۲) تحصیل دین میں ہمارا ہی نفع ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا

کیونکہ دین حاصل کرنے میں ہمارا ہی نفع ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا اور نہ حاصل کرنے میں ہمارا نقصان ہے۔ جیسے کوئی طبیب کڑوا نسخہ لکھ دے تو اس کے پینے میں جو کچھ نفع ہوگا۔ مریض کو ہوگا۔ اور نہ پینے سے بھی جو کچھ ضرر ہوگا مریض کو ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ نے اس مضمون کو دو ٹوک کر کے فرما دیا ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[1] اور قرآن میں بہت سی جگہ یہ مضمون آیا ہے ہمارا نہ کوئی نفع تمہارے ایمان سے ہے اور نہ کوئی ضرر تمہارے کفر سے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کہے کہ اگر تم دوا پیو تو ہمارا کیا نفع اور نہ پیو تو ہمارا

---

[1] جو چاہے ایمان لے آئے جو چاہے کفر کرلے۔ یعنی انجام دونوں کا کھلا ہوا ہے۔

Marfat.com

کیا ضرر بلکہ حکیم کو تو ایک[1] گونہ نفع بھی ہے۔ خدا تعالےٰ کو تو کچھ بھی نفع نہیں اس واسطے کہ خدا تعالےٰ کے لیے استکمال[2] بالغیر محال ہے ہر چیز ان کے افادہ اور وجود کی محتاج ہے مگر وہ کسی امر میں کسی کے محتاج نہیں۔ آفتاب عالم تاب عطر خانہ اور گھورہ سب پر روشن ہے۔ لیکن نہ اس کو عطر خانہ سے خوشبو پہنچتی ہے نہ گھورے سے بدبو اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

ما برہمی[3] از پاک و ناپاکی ہمہ وز گمراہی و چالاکی ہمہ

کہ ہم تو ایسے مقدس ہیں کہ پاکی سے بھی پاک ہیں۔ پاکی سے پاک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جیسی پاکی تم سمجھتے ہو ہم اس پاکی سے پاک ہیں۔ کیونکہ انسان کتنی بھی تقدیس[4] کرے لیکن احصاء[5] غیر ممکن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ واقعی بڑی سے بڑی تعریف اور تقدیس[6] بھی اس کے واقعی تقدیس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اس کی مثال مولانا نے بیان فرمائی ہے کہ ؎

شاہ را گوید کسے جولاہہ نیست ایں نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

---

[1] کہ دوا کے پیسے ملیں گے شہرت ہو کہ دوکان چمکے گی۔ [2] اپنی ذات کے علاوہ کسی اور شے کے ذریعہ کمال حاصل کرنا ناممکن ہے کہ یہ غیر کا محتاج ہونا ہوا اور محتاج ہونا خدائی کے خلاف ہے۔ [3] ہم تو پاکی اور ناپاکی سستی و چالاکی پستی سب سے بری ہیں [4] پاکی بیان کرنا [5] احاطہ تک ہیں آپ کی تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا بس آپ ایسے ہیں جیسے آپنے خود اپنی ثنا فرمائی ہے [6] پاکی بیان کرنا شاہ بادشاہ کی تعریف کوئی یہ کرے کہ وہ جولاہہ نہیں تو یہ تعریف نہیں ہوئی مگر اس کو احساس نہیں ہے۔

Marfat.com

یعنی اگر کوئی شخص بادشاہ کی یہ تعریف کرے کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہیں کہ جولاہہ نہیں ہیں تو کیا اس کو کوئی مدح کہے گا ہرگز نہیں اسی طرح ہمارے فہم کے موافق ہمارے نفع کے لیے تسبیح کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں[1]

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں　　پاک ہم ایشاں شوند در رفشاں

یعنی لوگوں کی تسبیح و تقدیس سے ہم پاک نہیں ہوں گے۔ غرض خدا تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہاں نہ نفع پہنچے نہ ضرر حدیث[2] میں ہے کہ اگر ساری دنیا مطیع ہو جائے تو خدا کی سلطنت میں اتنا بھی اضافہ نہیں ہوتا جتنا کہ مچھر کا پر۔ برخلاف یہاں کے سلاطین کے کہ جس قدر رعایا اطاعت کرے سلطنت زوردار ہے اور اگر رعایا اطاعت نہ کرے تو سلطنت کمزور ہے وجہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ رعایا کے بنائے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ خود بالذات کامل ہیں لہذا رعایا کو خود اپنے نفع کی فکر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کی عبادت سے کچھ بھی نفع نہیں ہے۔ غرض طبیب جس میں[3] بوسائط بعیدہ نفع کا احتمال ہے جب اس کو حق ہے کہ وہ جیسا نسخہ چاہے تجویز کرے تو خدا تعالیٰ کو اس سے زیادہ حق ہے کہ جیسا قانون چاہے مقرر کرے۔ کیونکہ وہ حاکم علی[4] الاطلاق بھی ہیں اور اس میں ہمارا ہی نفع بھی ہے مگر یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے نہایت آسانی اور سہولت رکھی ہے۔

---

[1] ان کے پاکی بیان کرنے سے میں پاک نہیں بن گیا ہوں۔ وہی اس سے پاک بھی بنتے ہیں اور موتی بکھیرنے والے یعنی ثناخواں [2] احمد ترمذی [3] دور کے واسطوں سے [4] سب کے حاکم۔

Marfat.com

(۱۳۳) موجودہ آسانی سے زیادہ دین میں آسانی کی درخواست یا تجویز کرنے والوں کی غلطی

مگر افسوس ہے کہ لوگ اس پر عمل کرتے بھی جان چراتے ہیں۔ علماء سے درخواست کی جاتی ہے کہ احکام میں کچھ آسانی کر دو گویا یہ سمجھتے ہیں کہ احکام شریعت کی تبدیلی و تغیر بالکل علماء کے ہاتھ میں ہے۔

حکایت :- مجھے ایک بڑھیا کا واقعہ یاد آتا ہے کہ جب وہ حج کو گئیں اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے لگی تو دو تین پھیرے کر کے مطوف سے کہنے لگیں کہ اب تو مجھ سے نہیں ہو سکتے خدا کے لیے اب تو مجھے معاف کر دو۔ مطوف وہ بڑھیا سمجھی تھی کہ مطوف کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں۔

حکایت :- ایک رئیس والی ملک ایک بڑے حاکم سے ملنے گئے یہ رئیس بہت دبلے ہو رہے تھے اس حاکم نے پوچھا کہ آپ اس قدر دبلے کیوں ہو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ آج کل رمضان کا مہینہ ہے روزہ رکھنے کی وجہ سے دبلا ہو رہا

لہ یہ عیسائیوں کی تعلیم کا اثر ہے کہ انکے ہاں پادریوں سے گناہ کا اقرار معافی اور انکی متفقہ تجویز مذہب بن جاتی ہے جو عقل و نقل سے بالکل لغو ہے۔ مذہب تو صرف خدا رسول کے احکام کا نام ہے۔ علماء کے اختیار میں کیا ہے۔ اور اگر کسی نے کچھ کہہ بھی دیا تو وہ مذہب کیسے ہو سکتا۔ اسکی تجویز خدا اور رسول کا حکم کیسے بن سکتی ہے۔

Marfat.com

ہوں کہنے لگا کہ آپ اپنے پادریوں سے کمیٹی کرا کے ان کو فروری کے مہینے میں کیوں نہیں کرا لیتے۔ انہوں نے کہا کہ جناب اس قسم کے اختیارات آپ ہی کی کمیٹی کو ہیں۔ ہمارے علماء کی کمیٹی کو ایسے اختیارات نہیں ہیں۔ غرض پہلے تو غیر قومیں اس قسم کی درخواستیں پیش کرتی تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ اب مسلمان ہی اس قسم کی درخواستیں پیش کرنے لگے ہیں۔ بلکہ یہاں تک ستم کیا ہے کہ لوگ درخواست سے گذر کر رائے دینے لگے ہیں کہ ضرور ایسا کرنا چاہیئے۔

حکایت :۔ میں ایک مرتبہ لاہور گیا تو بہت سے خیر خواہان قوم نے یہ تجویز کی کہ اس وقت سود کے مسئلہ پر گفتگو کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اُن کی خواہش پر گفتگو کی گئی۔ لیکن جلسہ گفتگو کا خاص تھا یعنی صرف علماء تھے۔ سب لوگ نہایت مشتاق تھے کہ دیکھئے کیا تجویز ہوتا ہے۔ حالانکہ وہاں اس کے سوا اور کیا تجویز ہو سکتا تھا جو کہ تیرہ سو برس سے چلا آ رہا ہے۔ اس واسطے کہ اہلِ علم میں کس کی وہ ہمت ہو سکتی تھی جو کہ آجکل کے نوجوان ہمت کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے ایک رسالہ میں آیۃ حَرَّمَ الرِّبٰوا[1] میں یہ تحریف کی ہے کہ ربوا کو بضم الراء کہا ہے اور اس کے معنی اچکنے کیلئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے سیدھی بات تو یہ تھی کہ زنا ہی کہہ دیتے کیونکہ زنا عربی کا لفظ تو ہے۔ ربوا تو عربی کا لغت بھی نہیں۔ بلکہ ربودن سے فارسی کا لغت ہے۔ رہا رسم خط کا اشکال سو بابضم الراء بھی واؤ سے نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا ہے۔

Marfat.com

حکایت :۔ مشہور ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کو کچھ نہ دیتا تھا اس نے جا کر ایک عالم سے شکایت کی انہوں نے لڑکے کو بلا کر سبب پوچھا کہنے لگا کہ اگر قرآن شریف میں ماں کا حق کہیں نکل آئے تو میں ضرور دوں گا چونکہ یہ بالکل جاہل تھا۔ اس لئے اُن کو فکر ہوئی کہ کوئی ایسی سبیل ہو کہ اس کی سمجھ میں آجائے آخر کہنے لگے تو نے کچھ قرآن بھی پڑھا ہے اس نے کہا کہ دو چار سورتیں پڑھی ہیں کہنے لگے کہ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ پڑھی ہے اس نے کہا ہاں جب اس نے تَبَّتْ پڑھی اور اس میں مَا كَسَبَ پڑھا تو کہنے لگے کہ دیکھ اس میں تو لکھا ہے کہ ماں کا سب یعنی ماں کا سب کچھ ہے تیرا کچھ بھی نہیں لڑکے نے کہا مولوی صاحب اب دیا کروں گا تو انہوں نے تو ایک ثابت شدہ مسئلہ کو اس جاہل کے ذہن نشین کرنے کے لیے محض ظرافت کے طور پر ایک اردو کے چلبلے کو قرآن کا جزو کہا تھا۔ لیکن اس ظالم نے قرآن میں صریح تحریف کی کہ رشوا کو حلال کرنے کے لیے اس کی حرمت کو قرآن سے اڑانا چاہا۔ غرض ہر شخص قرآن اور احکام شریعت کے متعلق ایک نئی رائے اور تجویز رکھتا ہے گویا قرآن ایک بچوں کا کھیل ہے۔ کہ ہر کہ آید عمارتے نو ساخت۔ آجکل کی اصلاح ایسی ہے جیسے کہ۔

حکایت :۔ ایک بڑھیا نے بادشاہی باز کی کہ وہ اتفاق اس کے ہاتھ لگ

لہ ہلاک ہو گئے۔ دونوں ہاتھ ابی لہب کے یعنی بہ سعادت ۲ اور وہ جو اس نے کمایا ۳ جو کوئی آیا اس نے ایک نئی عمارت بنالی۔

Marfat.com

گیا تھا۔ اصلاح کی تھی یعنی جب اس نے دیکھا کہ اس کے ناخن بہت بڑھ رہے ہیں اور چونچ بھی ٹیڑھی ہے تو بہت گڑھی اور کہنے لگی تو کس بے رحم کے ہاتھ گرفتار ہو گیا تھا جس نے نہ تیرے ناخن کی خبر لی نہ تیری چونچ کو درست کیا تو کس طرح کھاتا ہو گا کس طرح چلتا ہو گا اور یہ کہہ کر اس کے ناخن اور چونچ سب قینچی سے کاٹ دیئے تو جیسے اس نے باز شاہی کی اصلاح کی تھی ایسے ہی یہ لوگ بھی قرآن میں اصلاح کرتے ہیں۔ آخر جب وہ مجلس ختم ہوئی اور وہ مضمون شائع ہوا تو ان لوگوں نے بہت افسوس کیا اور کہنے لگے افسوس اب تک بھی علماء کو ہوش نہیں آیا کہ اتنی بڑی ضرورت ہے اور یہ لوگ ابھی تک اس کو ناجائز ہی کہتے ہیں۔ میں نے ایک بیان میں کہا ظالمو اگر تم کو اپنی عاقبت ہی خراب کرنا ہے تو حلال کہہ کر ابدالآباد کے لیے تو برباد نہ ہو۔ تمہاری مخترعہ ضرورتیں تو اس طرح بھی پوری ہو سکتی ہیں کہ حرام سمجھو۔ اور مبتلا رہو۔ اور خدا تعالیٰ سے معافی چاہتے رہو۔ اپنی حرکت پر نادم رہو۔

(۱۳۴) دین میں اپنی رائے سے تسہیل کرنے والوں کی غلطی

دین میں تسہیل کی غرض سے اپنی رائے سے کام نہ لیجئے۔ دین مکمل ہے

لہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیونکہ قرآنی حرام کو حلال کہنے والا کافر ہے اور ہمیشہ کے لیے دوزخی ہو جاتا ہے ہے گھڑی ہوئی۔ خود ساختہ ۳ اس سے گناہ تو ہو گا مگر ایمان تو رہ جائے گا۔

Marfat.com

اور سہل بھی ہے چنانچہ اس مقام پر اصلاح کی ترتیب کس قدر سہل ہماری فطرت کے موافق رکھی ہے کہ اوّل علم کی طرف اشارہ کیا پھر عمل کی طرف سو اس آیت میں ان ہی دو چیزوں یعنی علم و عمل کو بیان کیا گیا ہے۔ اور چونکہ علم کے دو شعبے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ اس لیے گو اس آیت کی مدلول تین چیزیں ہوئیں۔ الفاظ اور معانی اور عمل اور ہم کو ان تینوں کا حاصل کرنا ضروری ہوا اب دیکھئے کہ ہم نے ان تینوں جزوں کے ساتھ کیا معاملہ کر رکھا ہے۔ سو عمل تو بالکل ہی مفقود ہے۔ اور علم کا جو طریقہ ہے وہ مفقود ہے اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ علم بھی مفقود ہے۔ لیکن خیر تھوڑا بہت مشغلہ ہے گو دنیا ہی کے لیے ہو اور جن لوگوں کو تحقیق ہے وہ کچھ تھوڑا بہت عمل پر بھی متوجہ ہیں۔

(۱۳۵) اسلام سے بُعد کا پہلا زینہ دُنیا کو اختیار کرنا ہے

دین اسلام سے بُعد کا پہلا زینہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دین کو چھوڑ کر صرف دنیا کے حاصل کرنے پر متوجہ ہو رہے ہیں اور تحصیل دین کو مُخِلِّ دنیا

لہ یعنی آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ میں

رائے ہمارے رب! ان میں ایک پیغمبر انہی میں کا بھیج جو ان پر آپکی آیتیں تلاوت کرے آپ کی کتاب اور حکمت سکھائے اور بری عادتوں سے پاک کر دے بیشک آپ ہی سب سے غالب اور بڑے حکمت والے ہیں

سلہ تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے بری عادتوں سے پاک کرنے سے ہم عمل پیدا کرنے والا

Marfat.com

سمجھ رہے ہیں اور واقعی حقیقت ہے کہ دُنیا تے حلال دین کے ساتھ سایہ کی طرح ہے اگر کوئی سایہ کو پکڑنا چاہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ اصل چیز کو حاصل کرے تو دُنیا بھی جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ جب دین کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کیا ہو آج افسوس ہے کہ فلسفہ و حقیقت شناسی کی اتنی بڑی ترقی ہے۔ لیکن لوگ دنیا کی حقیقت میں ذرا غور نہیں کرتے۔ محض مال اور جاہ کی طلب کو اصل مقصود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ امر دیکھنے کے قابل ہے کہ مال کیوں مقصود ہے اور جاہ کیوں مطلوب ہے۔

(۱۳۶) دُنیا سے اصل مقصد کیا ہے اور اس کی کتنی ضرورت ہے

سو مال تو جلب[1] منفعت کے لیے مطلوب ہے اور جاہ دفع[2] مضرت کے لئے یعنی ہم کو بڑائی کی اتنی ضرورت ہے کہ ظالموں کی دست برد سے محفوظ رہیں دیکھئے سقے چمار وغیرہ بیگاریں پکڑے جاتے ہیں۔ لیکن جو معزز لوگ ہیں وہ نہیں پکڑے جاتے۔ کیونکہ وہ ذی جاہ ہیں اور جاہ ایک قدرتی قلعہ ہے تو یہ دونوں چیزیں جلب منفعت اور دفع مضرت کے لیے ہیں پس مال اس قدر کافی ہے کہ جس سے ہم منافع حاصل کر سکیں۔ اب لوگوں نے نفس مال کو معبود مطلق بنا رکھا ہے تو کتنی بڑی فلسفی غلطی ہے۔

---

[1] عزت [2] فائدہ حاصل کرنے کے لیے۔ [3] نقصان و تکلیف دُور کرنے کے لیے۔

Marfat.com

(۱۳۷) اہل اللہ کو پریشانی مطلق نہیں ہے

صاحبو اصل مقصود محض دین ہے جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو دوسرے مقاصد خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو لوگ خدا کے کام میں لگے ہیں اُن میں کوئی بھی پریشانی میں مبتلا نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ اس قدر آسائش میں ہیں کہ اہل دُنیا کو بھی اتنی آسائش نصیب نہیں ہے اور امتحان اس کا یہ ہے کہ اوّل ایک بڑے سے بڑے دُنیادار کے پاس ایک مہینہ رہیئے اس کے بعد اہل اللہ میں سے کسی کے پاس ایک مہینہ ٹھہر کر دیکھئے۔ پھر دونوں کی حالت کا موازنہ کیجئے آپ کو صاف معلوم ہوگا وہ دنیادار طرح طرح کے افکار میں مبتلا رہے۔ اور یہ دین دار پریشانی سے محفوظ و مامون ہے یہ تو مال کی غایت تھی۔

(۱۳۸) اہل اللہ دنیاداروں سے جاہ کے اعتبار سے بھی زیادہ ہیں

رہی جاہ اس میں بھی اہل اللہ اہل دنیا سے زیادہ بڑے ہوئے ہیں۔ عزت جس چیز کا نام ہے وہ انہی حضرات کو نصیب ہے کیونکہ عزت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو عزت زبان سے اور ایک دل سے اہل دنیا کی جو کچھ عزت ہوتی ہے

لہ انکے دلوں کو سکون حاصل ہے اور مقصود مال و دولت سے دل کا سکون ہی ہوتا ہے وہ صرف انہی کو میسّر ہے

Marfat.com

وہ محض زبان اور ہاتھ پیر سے ہوتی ہے یعنی لوگ ظاہر میں اُن کی عزت کرتے ہیں دل میں کسی قسم کی وقعت ان کی نہیں ہوتی اور اہل اللہ کی عزت دل سے ہوتی ہے دوسرے اہلِ دُنیا اور اہل اللہ میں اس سے بھی زیادہ ایک فرق ہے اور وہ ایک تمدنی مسئلہ ہے یعنی معزز وہ شخص کہلائے گا جو اپنی قوم میں معزز ہو ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مجموع مرکب[1] میں قوم وہ جماعت ہے جس کے آحاد زیادہ ہوں جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ گیہوں کا ڈھیر وہ کہلائے گا جس میں گیہوں زیادہ ہوں اس پر قیاس کر کے اب میں پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں میں زیادہ افراد کن لوگوں کے ہیں؟ غرباء کے یا امراء کے؟ ظاہر ہے کہ غرباء مسلمانوں میں زیادہ ہیں۔ تو مسلمانوں کی قوم غرباء کی جماعت کا نام ہوگا۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ غربا میں زیادہ عزت کس کی ہے اہل اللہ کی یا اہلِ دُنیا کی ہر شخص جانتا ہے کہ اہلِ اللہ کی غربا میں عزت زیادہ ہے تو قوم کے نزدیک معزز اہلِ اللہ ہوئے تو اس تمدنی مسئلہ سے ثابت ہو گیا کہ مال اور جاہ سے جو امر مقصود ہے وہ اہلِ اللہ ہی کو حاصل ہے۔

(۱۳۹) دُنیا اور دین کے جامع ہونے کی حقیقت

بعض لوگ ایسے ہیں کہ دنیا کو تمام مقصود نہیں کہتے لیکن دین اور دنیا دونوں کا جامع بننا چاہتے ہیں۔ اور اس کو بہت بڑی خوبی اور کمال سمجھتے ہیں

---

[1] مختلف چیزوں سے مل کر جو مجموعہ بنا ہوا ہے [2] افراد سے پورا

Marfat.com

مگر یہ جمع ایسا ہوتا ہے جیسے کہ ایک شخص سارے زنانے کپڑے پہن کر ان کے ساتھ ایک ٹوپی بھی پہن لے ظاہر ہے کہ جو شخص اس کو دیکھے گا۔ ایک مسخری عورت کہے گا جو لوگ جامع بن رہے ہیں ان کو دیکھ لیجئے کہ غالب ان کے اوپر دنیا ہی ہے مسلمان کے جامع ہونے کے معنی تو یہ ہونے چاہئیں کہ اس پر دین غالب ہو اور حسب ضرورت دنیا بھی لیتا ہو۔

(۱۴۰) دینی خدمت کے لیے چند افراد کے خاص ہونے کی ضرورت

غرض مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں سب کے سب دیندار ہوں اور چونکہ معاش کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے کچھ افراد اس میں بھی لگیں اور کچھ افراد ایسے بھی ہونے چاہئیں کہ وہ محض خادم ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیل معاش ہی میں پڑ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے کو نہیں چل سکتا۔ مثلاً سرشتہ تعلیم ہی کو لیا جائے کہ اگر اس میں کوئی نہ جائے تو ساری نوکریاں جاتی رہیں گی۔ اسی طرح دین کے کام میں بھی اگر کوئی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جماعت تو محض خادمانِ دین کی ہو یہ لوگ اس کے سوا کوئی کام نہ کریں اور میں اس کی ایک نظیر کہتا ہوں کہ قانونی حکم ہے کہ جو شخص ملازم سرکار ہو وہ دوسرا کام نہیں[1] کر سکتا چنانچہ اگر کسی نے کیا تو اس کو یا ملازمت

---

[1] اسیطرح دنیا کی ساری ناجائز باتیں کر کے ایک دو دین کی بات لینا ہے[2] وہ کاموں میں لگ کر کوئی بھی پورا انجام نہیں پاتا۔ ہر ایک ادھورا رہ جاتا اسیطرح دین والے کسی اور کام میں لگیں گے تو ان کا دین اور علم دین ادھورا رہ جائے گا۔ اب وہ پہلے سے قوی انہیں نہ پہلی سی مختصر دنیاداری ہے کہ دونوں کام ہو جائیں۔

Marfat.com

چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور یا اس دوسرے کام کے ترک کرنے پر مجبور کیا گیا علیٰ ہذا سید صاحب کو دیکھئے کہ ان کو دنیا کی دھن تھی تو اس میں کیا حالت تھی کہ اپنی زندگی اور آسائش سب اس میں صرف کر دی میں کوئی چیز نہیں ہوں۔ لیکن یہ حالت ہے کہ جب کبھی کوئی رسالہ لکھتا ہوں تو راتوں کو نیند نہیں آتی۔ پنسل کاغذ ساتھ لے کر سوتا ہوں۔ اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر جو کچھ یاد آتا ہے اس کو لکھتا ہوں تو اگر ایسے شخص کو کوئی دوسرا کام دے دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی خراب ہوگا۔ اور وہ بھی ایک شاعر کی حکایت مشہور ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک مصرعہ سوجھا فوراً نماز توڑ دی اور اس مصرعے کو لکھا۔ اگرچہ اس کی یہ حرکت پسندیدہ نہ تھی لیکن اس سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب کسی کام کی دھن ہوتی ہے۔ تو کیا حالت ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ایک جماعت کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ وہ دین کے کام کے سوا اور کوئی کام نہ کرے اور اس جماعت پر یہ الزام بھی بالکل خلاف انصاف ہے کہ قوم کے محتاج ہیں۔ البتہ اگر وہ تم سے مانگیں تو ان کو جو چاہو سو کہو۔ سو بحمد اللہ ان کا تو یہ مذاق ہے۔

حکایت:۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو کہنے لگے۔ کہ ہم خدا کے مہمان ہیں اور مہمانی تین دن کی ہوا کرتی ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ حضرات واللہ اس وقت بھی ایسے خدا کے بندے موجود ہیں کہ لوگ ان کو دیتے ہیں اور وہ نظر بھی نہیں کرتے۔ اور ان کی

لہ اسی طرح ۲ جائزہ ۳ بیشک ایک دن تمہارے رب کے یہاں ان ایک ہزار سال کے برابر ہے جنکو تم گنتے ہو ۴ خود حضرت مولانا تھانویؒ بھی اس کا نمونہ تھے۔

Marfat.com

وہ حالت ہے۔

دلا[1] رامے کہ داری دل درو بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

وہ ایک ہی ذات میں ایسے منہمک ہیں کہ دوسرے کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا۔

حکایت:۔ شاہ نیمروز نے ایک بزرگ کو لکھا (دیکھیئے اس حکایت سے معلوم ہوگا کہ دینے والے درخواست کرتے ہیں اور لینے والے صاف انکار کر دیتے ہیں۔) کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنا آدھا ملک نیمروز آپ کے حوالے کر دوں آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

چوں[2] چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ[3] کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　من ملک نیمروز بہ یک جو نمی خرم

غور کیجئے کہ ادھر سے اصرار ہے اور ادھر سے سوکھا جواب کہ ہم کو کوئی ضرورت نہیں اور اس میں تصنع نہیں تھا ورنہ اثر کیوں ہوتا۔

(۱۴۱) اہل اللہ طفیل خوار نہیں ہیں

اور اس حالت سے کوئی اہل اللہ کو طفیل خوار نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ

---

[1] تم جو محبوب رکھتے ہو بس دل اس میں ہی لگا رکھو۔ پھر دوسرے سارے جہان سے آنکھ بند کر لو۔

[2] بادشاہ سنجر کے سیاہ چھتر کی طرح میرے نصیبہ کا منہ سیاہ ہو جائے گا۔ اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس ہو۔ [3] جب سے میں نے آدھی رات کے ملک کی خبر پائی ہے میں آدھے دن (نیمروز) والے ملک کو ایک جو کے دانہ کے بدلہ بھی نہیں خرید سکتا۔

Marfat.com

سرکاری لوگ ہیں۔ دیکھئے گورنر جنرل کو کثیر التعداد رقم ہر مہینہ ملتی ہے۔ حالانکہ بظاہر ان کو کوئی ایسا بڑا کام نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن محض اس لیے کہ ان کا کام دماغی کام ہے تو حضرات اہل اللہ پر جو گذرتی ہے اور سوداء دماغ سوزی ان کو کرنی پڑتی ہے اگر آپ پر وہ گذرے تو چند روز میں جنون ہو جائے اور یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اہل اللہ پر اپاہج ہونے کا الزام بھی بالکل غلط ہے وہ ہرگز اپاہج نہیں ہوتے۔ ہاں وہ بدن کے اعتبار سے اپاہج ہیں۔ سو یہ فخر ہے۔ ان کی یہ شان ارشادِ خداوندی میں مذکور ہے۔ اُحْصِرُوْا[1] فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ تو یہ عدم استطاعت بایں فخر ہے نیز یہ خود کہتے ہیں کہ[2]

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم — مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

یہ اگرچہ طفیلی ہیں تو اُسی کے طفیلی ہیں اور ان کا جسم کو معطل ہے لیکن ان کی رُوح ایک بہت بڑے کام میں ہے اُن کی رُوح نے اس بارِ گراں کو اٹھایا

---

[1] جو خدا کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں اور زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکو دین کے کاموں میں مجبوس کر رکھا ہے۔ اس لیے وہ دنیا کے کاروبار میں نہیں لگ سکتے۔ اور دین کا کام سب مسلمانوں کے لئے ہے کہ سب کا دین سنبھالتے ہیں سب کو لازم ہے کہ ان کی دینی ضرورت پوری کریں۔ جیسے ڈاکٹر صحت کو اور وکیل اس کے حق سنبھالتے ہیں اور سب ان کو دیتے ہیں۔ کوئی ان کو اپاہج نہیں کہتا۔ حالانکہ وہ کوئی کاروبار نہیں کرتے تو کیا دین سنبھالنا صحت اور مالی حق سنبھالنے سے کم سمجھ رکھا ہے۔

[2] ہم اگر مفلس ہیں اور اگر دیوانے ہیں تو اس ساقی اور اُس پیمانہ کے مست ہیں۔

Marfat.com

ہے جس کے اٹھانے کی پہاڑ بھی تاب نہیں لا سکے اور زمین آسمان سے بھی نہیں اُٹھ سکا۔ چنانچہ ارشاد ہے لَوْ[1] اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّا[2] عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ تو جس کی رُوح اتنا بڑا بار گراں اُٹھائے ہوئے ہو اپاہج کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ای[3] ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

آپ کو کیا خبر ان پر کیا گذرتا ہے صاحبو! وہ اس مشقت میں ہیں جس کا ایک نمونہ یہ ہے فَلَعَلَّكَ[4] بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ غور کیجئے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذرتی ہوگی جو یہ لفظ فرمایا گیا۔

---

[1] اور اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو خدا کے خوف سے عاجز اور پھٹتا ہوا دیکھتے۔ [2] بیشک ہم نے امانت (اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کی ذمہ داری) کو سب آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اس کے اٹھانے سے انکاری ہو گئے اور اس سے ڈر کھا گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ [3] اے وہ شخص کہ تیرے پاؤں میں کوئی کانٹا بھی لگ کر نہیں ٹوٹا۔ تو کیا جان سکتا ہے اُن شیروں کا حال جو بلاؤں کی تلواریں سر پر کھا رہے ہیں۔

[4] تو شاید آپ اپنی جان نکال دیں گے۔ اس میں کہ لوگ کیوں ایمان نہیں لے آتے۔

Marfat.com

(۱۴۲) دین کی حفاظت علی العموم سب کے ذمہ ہے

دیکھیئے اگر جائداد کئی آدمیوں میں مشترک ہو کہ ایک کے اس میں آٹھ آنہ ہوں دوسرے کے چار آنہ تیسرے کے دو آنہ چوتھے کا ایک آنہ اور کوئی ظالم اس جائداد پر دست برد کرے تو کیا ایک آنہ کا شریک خاموش ہو کر بیٹھے گا۔ ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشترک چیز کی حفاظت تمام شرکاء کو چاہیئے۔ اسی طرح قرآن شریف مسلمانوں کی مشترک جائداد ہے۔ اس کی حفاظت بھی سب کو کرنی چاہیئے۔ اور اگر کہیئے کہ مشترک نہیں تو مہربانی کر کے یہ لکھ کر دے دیجئے کہ ہم اس کو شائع کر دیں۔ پھر تم لوگوں سے ہم ہرگز اس کی حفاظت کا خطاب نہ کریں گے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ کوئی بھی نہ کرے گا۔ اور جب یہ گوارا نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے ذمہ بھی ضروری ہے۔

(۱۴۳) ہر مقصود میں دو جزو ہونا ایک علمی ایک عملی اور سلوک میں شیخ کی ضرورت

ہر مقصود میں خواہ وہ ادنیٰ درجہ کا ہو یا اعلیٰ درجہ کا دو جزو ہوتے ہیں

لہ عام طور سے سب مسلمانوں کے ذمہ ہے اپنی اپنی طاقت اور قابلیت کے موافق سب کو حفاظت کی کوشش کرنا لازمی ہے۔ صرف علماء کے ہی ذمہ نہیں سب کے ذمہ ہے کوئی دن رات اسمیں کھپانے ہے کوئی پیسہ سے کوئی دوسری امداد دل سے کوئی صرف پڑھنے پڑھانے سے کوئی تبلیغ و اشاعت یا انکے انتظامات سے جیسے بھی پڑے حفاظت کرے خصوصاً آجکل کہ ہر طرف سے دین کو نیست و نابود کرنے کی کوشش

Marfat.com

ایک جزو علمی اور ایک جزو عملی مثلاً اگر ہم کوئی دنیاوی کام کرنا چاہیں، تو اوّل ہمیں اس کا علم ہوگا۔ پھر اسکے بعد ہم اس پر عمل کریں گے یا جیسے میں نے پہلے بیان میں عرض کیا تھا کہ طبیب اس کو کہیں گے جس کو علم ادویات بھی ہو اور ان کا استعمال بھی جانتا ہو اسی طرح ہر مقصود کے اندر یہی دو جزو ہیں تو دین بھی چونکہ مقاصد علیہ[1] سے ہے اس لیے اس میں بھی یہ دو جزو معتبر ہوں گے اور میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ علوم میں ایک مرتبہ دالّ[2] کا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ مدلول[3] کا۔ سو جس طرح تقسیم[4] الی الجزئین ہر مقصود میں ہوتی ہے کچھ دین کی تخصیص نہیں اسی طرح دالّ مدلول کا مرتبہ بھی ہر مقصود علمی میں ثابت ہوگا۔ اس میں دین کی تخصیص نہ ہوگی۔ مثلاً طب کے الفاظ کہ وہ دالّ ہیں یعنی مقصود پر اُن کے بغیر ان معانی کا سمجھنا مشکل ہے پس الفاظ دالّ ہوئے معانی مدلول ہوئے۔ یہاں سے الفاظ کے دالّ علی المعانی اور کافی فی الدلالۃ ہونے کے متعلق ایک عجیب کام کی بات یاد آئی۔ وہ اہلِ باطن کے لیے بہت مناسب ہے بعض اہلِ باطن یہ سمجھتے ہیں کہ سلوک طے کرنے کے لیے کسی شیخ کی ضرورت نہیں اور اس خیال کی وجہ سے اگر کسی کو تجویز کرتے بھی ہیں تو پھر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ بالخصوص اگر قلب میں کچھ حرکت و حرارت یا عبادت میں کسی قسم

---

[1] بہت بلند [2] دلالت یعنی ظاہر کرنے والے جیسے الفاظ [3] ظاہر کئے ہوئے جیسے معانی [4] اور جزوں کی طرف تقسیم [5] الفاظ کے معانی و مضامین پر دلالت کرنے یعنی ان کو ظاہر کرنے اور ظاہر کرنے میں کافی ہونے کے متعلق۔

Marfat.com

کی لذت آنے لگے تو سمجھتے ہیں کہ اب ہم کامل ہو گئے۔ حالانکہ تکمیل اس کو کہتے ہیں جسے اہلِ فن کہہ دیں۔ بچہ ایک دو کتاب پڑھ کر سمجھتا ہے کہ میں عالم ہو گیا۔ حالانکہ ابھی علم سے اس کو مناسبت بھی نہیں ہوتی۔ ہاں جب اہلِ علم یہ تجویز کر دیں کہ اب یہ عالم ہو گیا ہے اس وقت کہا جائے گا کہ اس کو کمال فی العلم ہو گیا۔ ان لوگوں کی بعینہٖ وہ حالت ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ ایک بندر کے ہاتھ ایک ہلدی کی گرہ آ گئی تھی۔ کہنے لگا کہ میں بھی پنساری ہوں۔ تو جیسے وہ بندر ایک ہلدی کی گرہ سے پنساری بنا تھا۔ ایسے ہی یہ لوگ بھی اپنے خیال میں ذرا سی قلب کی حرارت وغیرہ کو دیکھ کر اپنے کو کامل سمجھ بیٹھے۔ بہرحال تکمیل سے مراد وہ ہے کہ جس کو اہلِ فن تکمیل سمجھیں تو اگر قبل تکمیل شیخ کی وفات ہو جائے تو دوسرے سے رجوع نہیں کرتے بالخصوص اگر کشف قبور بھی ہونے لگے کہ اس صورت میں تو اپنے کمال میں شبہ بھی نہیں رہتا کیونکہ کشف قبور کے لئے نسبت فنا کا حاصل ہونا ضروری ہے تو جب صاحب نسبت بھی ہو گئے تو پھر کیا کسر رہی۔ حالانکہ کشف قبور کوئی کمال نہیں ہے نہ مطلق نسبت کا حصول دلیل کمال ہے۔ کشف قبور کے نسبت فنا پر موقوف ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ

حکایت:- ایک بزرگ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ قبور سے فیض ہوتا ہے یا نہیں فرمایا کہ فیض لینے والا کون ہے اس شخص نے کہا مثلاً میں ہوں

؎ علم میں پورا ہونا۔

Marfat.com

فرمایا کہ نہیں ہوتا اللہ اکبر کتنا بڑا مسئلہ اور کس طرح دو جملوں میں حل کر دیا۔ یہ بات اہلِ علم کے یاد رکھنے کی ہے کہ ان کو جواب میں سائل کے تابع ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ وہ جس طرز سے جواب چاہیں اس کو ضروری سمجھا جاوے۔ بلکہ ان کی مصلحت پر نظر کرنی چاہیئے۔ اور جو طرز جواب کا ان کے لیے مصلحت ہو اس کو اختیار کرنا چاہیئے گو وہ ان کی رائے کے خلاف ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ جس راہ سائل لے چلے اسی راہ چلیں جس طرح اس حکایت میں سائل نے تو چاہا کہ پوری تحقیق مسئلے کی بیان کی جائے۔ اور محقق مجیب نے اس کو بیمار سمجھ کر اس کی حالت کے مناسب جواب دے دیا کہ تم پورے مسئلے کو کیا کرو گے اپنا تعلق مسئلے سے جس قدر ہے اس کو سمجھ لو کہ تم کو قبو سے نفع نہیں ہو سکتا۔ سائلین تو یہ چاہتے ہیں کہ جس راہ پر ہم چلیں اس راہ پر اگر چلیں تو ہم جانیں گے کہ ہمارے سوال کا جواب ہوا ورنہ سمجھیں گے کہ جواب نہیں ہوا۔ مجلسوں نے جب دیکھا کہ ان کی یہ حالت ہے۔ جس چال انہوں نے چلا یا اسی چال انہوں نے چلنا اختیار کیا۔ اس میں بڑی خرابی یہ ہوئی کہ سائلین کے امراض میں ترقی ہوتی گئی اور شبہات ترقی پذیر ہوتے گئے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے طبیب کے پاس کوئی مریض جائے کہ اس کو مرض دق بھی ہو اور زکام بھی ہو اور جا کر حکیم سے فرمائش کرے کہ اوّل زکام کا علاج کر دیجئے تو اگر طبیب زکام کے علاج میں ایک مدت مدید صرف کرے تو وہ خائن ہے اس کو چاہیئے کہ مریض کو رائے دے کہ ہرگز ایسا نہ کرو۔ اوّل دق کی خبر لو۔ اگر مریض اس تجویز پر یہ کہے کہ حکیم صاحب کچھ نہیں جانتے تو طبیب اس وقت کیا کرے گا ظاہر ہے

Marfat.com

کہ اس کے جہل پر رحم کرے گا۔ اور پھر بھی اپنی ہی تجویز اور اس کی مصلحت پر عمل کرے گا۔ اور اگر اس نے مریض کا اتباع کیا تو وہ خود غرض ہوا اسی طرح محقق پر واجب ہے کہ جواب مصلحت کے موافق دے نہ کہ سائل کی مرضی کے موافق سوال میں جتنا ناشائستہ جزو ہو اس کو نکال دے۔ اگر سارا ہی ناشائستہ ہو تو جواب ہی نہ دے اور اگر جواب دے تو یہ ضروری نہیں کہ سب کا جواب دے بلکہ جتنا مناسب ہو اتنا جواب دے مجھے یاد آیا کہ۔

حکایت :- مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کافر سے سود لینا کیوں ناجائز ہے تو اُن کی مرضی کے موافق تو یہ تھا کہ میں دو ورق میں مدلل جواب دے دیتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کی مصلحت کے خلاف تھا بلکہ میں نے یہ لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں ناجائز ہے۔ یہ اس سوال کا جواب تحقیقی ہی تھا۔ لیکن اس وقت کم علمی اس قدر چھا گئی ہے کہ وہ اس کو سمجھے ہی نہیں۔ حاصل اس جواب کا یہ تھا کہ جو حرام قطعی ہے وہ کسی محل میں بھی جائز نہیں۔ یہ تھا جواب اس کو سمجھ کر وہ جتنے شبہے کرتے وہ صحیح[1] ہوتے اتفاق سے وہ شخص ایک مرتبہ مجھ سے ملے وہ تو مجھے پہچانتے تھے۔ لیکن میں نہ پہچانتا تھا۔ کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھے نہ پہچانا ہوگا۔ میں نے کہا بیشک میں نے نہیں پہچانا کہنے لگے میں وہی شخص ہوں جس کے پاس سے اس قسم کا سوال جناب کے پاس آیا تھا۔ اور اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے اس قسم کا جواب کیوں دیا۔

---

[1] اور ان کا جواب دینا مناسب ہوتا۔

Marfat.com

تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ جواب کو ابھی تک نہیں سمجھتے تو میں نے اُن کی سمجھ کے موافق اس استفسار کا دوسرا جواب دیا میں نے کہا کہ آپ ایک عہدہ دار ہیں۔ آپ کو ہر قسم کے آدمیوں سے سابقہ پڑتا ہے کیا آپ سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرتے ہیں یا احباب کے ساتھ دوسری قسم کا برتاؤ ہے اور اجانب کے ساتھ دوسری قسم کا کہنے لگے کہ ہر قسم کے آدمیوں سے علیحدہ برتاؤ ہوتا ہے میں نے کہا کہ جب یہ ہے تو افطار کا بھی ایک حکمہ ہے اس میں بھی اسی طرح کسی کو ضابطہ کا جواب دیا جاتا ہے کسی کو دوسری قسم کا چونکہ آپ کی حالت سے واقف نہ تھا۔ اس لئے میں نے آپ کو ضابطہ کا جواب دیا اور اب چونکہ آپ سے ملاقات ہو گئی اب انشاء اللہ اس قسم کا جواب نہ آئے گا۔ لیکن ملاقات کا اثر جیسا مجھ پر ہو گا۔ آپ پر بھی ہو گا۔ آپ کے پاس سے اس قسم کا لغو سوال کبھی نہ آئے گا۔ غرض اس وقت یہ ایسی آفت ہے کہ مجیب سائل کے تابع ہو جاتے ہیں۔ مگر ان محقق کا جواب نہایت ہی نفیس تھا کہ اگر فیض لینے والا تو ہے تو نہیں ہوتا مقصود یہ ہے کہ قبور سے جو فیض ہوتا ہے تو صاحب نسبت فنا کو ہوتا ہے

(۴۴) قبور سے فیض حاصل کر سکنے پر بھی شیخ سے استغنا نہیں ہوتا

طالب اگر صاحب کشف بھی ہو جائے تب بھی اس کو شیخ سے استغنا[1]

---

[1] سبکی نہیں ہوتا اب لوگوں نے نقالی کر رکھی ہے جو عام طور سے دیکھی جاتی ہے[2] بے پروائی اور ضرورت نہ رہنا۔

Marfat.com

جائز نہیں کیونکہ اس میں کفایت نہیں ہوتی وجہ یہ ہے کہ فیض کی دو قسمیں ہیں
ایک یہ دلالت لفظیہ یعنی تعلیم و تلقین ایک غیر لفظیہ یعنی تقویت نسبت افادہ
اور استفادہ میں لفظیہ بہت مفید اور ممد ہے۔ پس صرف قبور سے استفادہ
پر بس کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ قبور سے اتنا فیض ہوتا ہے کہ حالت موجودہ میں ترقی
ہوتی ہے اور بس بخلاف زندہ کے کہ اگر کوئی شبہ ہو تو پیش کر کے حل کر سکتا ہے
خوب مشبع طور سے تو اس کی یہ ایہ ہرگز فیض قبور نہیں ہو سکتا۔

(۱۴۵) علوم دینیہ سے بے التفاتی اور عمل میں کوتاہی کی شکایت اور مضرت

یہ تو معلوم ہے کہ اس وقت کتنی بے التفاتی دین سے ہو رہی ہے اب
دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ مضر ہے یا نہیں تو یوں سمجھیے کہ جس حکومت کے ماتحت
کوئی شخص رہتا ہے۔ اس کو اُس حکومت کے قوانین جاننے کی ضرورت ہے
اور قوانین ہوتے ہیں دو قسم کے ایک تو وہ کہ جن میں محض ہار جیت ہو
جیسے مال کے قوانین۔ سو اوّل تو ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر ان کو
نہ بھی سیکھا جائے تو زیادہ ضرر نہیں اس لیے کہ ہار جانا خسارہ ہے جرم نہیں
ہے دوسرے وہ قوانین ہیں کہ ان کی خلاف ورزی جرم اور بغاوت ہے
اِن کا سیکھنا واجب ہوتا ہے۔ خواہ پڑھ کر یا پوچھ کر تو اب میں یہ سوال کرتا ہوں

۱؎ الفاظ کے ذریعہ دوسرے تک معانی کو پہنچانا ۲؎ پیٹ بھر کے یعنی پوری تسلی سے ۳؎ اور ان کا
کوئی نہ کوئی جاننے والا ہونا یقیناً ضروری ہے۔ وکیل ہو یا مختار ہاں سب کا جاننا ضروری نہیں ہوتا۔

Marfat.com

کہ ہم لوگ خدا تعالیٰ کی عملداری میں ہیں یا نہیں۔ اور دوسرا سوال یہ کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے کچھ قوانین ہیں یا نہیں۔ اگر ہم اس کی عملداری سے باہر ہوتے یا وہ صاحب قوانین نہ ہوتا تو چنداں فکر نہ تھی اور جبکہ یہ دونوں باتیں ہیں۔ تو اب بدون قوانین سیکھے چارہ نہیں۔ اب یہ بات رہ گئی کہ وہ قوانین کس قسم کے ہیں آیا ان میں صرف اپنا نقصان ہے یا ان کی مخالفت جرم اور بغاوت بھی ہے سو قرآن شریف کو اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ تمام قرآن اس سے بھرا پڑا ہے کہیں اَحَلَّ[1] اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ہے کہیں لَا[2] تَقْرَبُوا الزِّنَا ہے۔ غرض تمام قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہماری معاشرت اور معاملات دونوں کے متعلق کافی انتظام فرمایا ہے اور عدم اطاعت پر وعید بھی فرمائی ہے۔ پھر کیا شبہ رہ گیا اب تو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ قوانین[3] شریعت کا سیکھنا اشد ضروری ہے۔

(۱۴۶) قوانین خداوندی کو لوگ صرف نماز روزہ میں منحصر سمجھتے ہیں بلکہ بعضے تو نماز روزے کی بھی حاجت نہیں سمجھتے

آج کل لوگ قوانین خداوندی صرف نماز روزہ کو سمجھتے ہیں باقی دوسرے

---

[1] اللہ تعالےٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام [2] زنا کے قریب مت جاؤ [3] جنکے خلاف کرنے سے عذاب ہوگا اس لیے ہر شخص کو سیکھنا ضروری ہے۔ باقی اور علم ایسا ہے کہ صرف کوئی نہ کوئی جاننے والا ہونا ضروری ہے

Marfat.com

امور میں اپنے کو آزاد محض سمجھتے ہیں۔ سو اوّل تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ نے نماز روزہ ہی میں کونسا اہتمام کیا ہے۔ افسوس کہ معاملات سے یہ آزادی شروع ہوئی تھی۔ مگر چونکہ زمانہ ترقی کا ہے ہر چیز کو ترقی ہونی چاہیئے اس کو بھی یہاں تک ترقی ہوئی کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اب نماز ہی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب اخلاق کے لیے مقرر ہوئی تھی اور تہذیب اخلاق دوسرے طرق سے ہو جاتی ہے۔ لہذا نماز کی ضرورت نہ رہی تو اس زمانہ کی تہذیب کے تہذیب ہونے ہی میں کلام ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے تو اس کی پائداری میں کلام ہوگا۔ اور یقیناً وہ بالکل ناکافی ہے تو اگر تہذیب نفس ہی نماز روزہ کی علت ہوتی تب بھی ہم کو نہ چھوڑنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہم کو تو تہذیب بھی حاصل نہیں۔ بالخصوص جبکہ نماز روزہ سے غرض بھی دوسری ہو کہ یہ ثابت ہو کہ یہ کسی کا غلام ہو کہ اس کے حکم پر سر تسلیم خم کیئے ہوئے ہے اور اگر کہو کہ بعض نصوص کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے میں شہوت کا انکسار ہے تو سمجھ لیجیئے کہ یہ حکمت[1] ہے علت نہیں ہے۔ وجوب تو محض خدا کے حکم سے ہوا اب اس پر یہ حکمتیں مرتب ہو گئیں

(۱۴۷) ہمارا منصب احکام کی علت سے سوال کرنے کا نہیں ہے

اور اگر کوئی علت ہو بھی تو جب موجب[2] نے خود اس کو متعین نہیں فرمایا

---

[1] جو فائدہ کسی کام کے ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے وہ حکمت ہے اور جس کی وجہ سے حکم کا وجود ہے اس کے نہ ہونے سے حکم ہی نہ رہے وہ علت ہے اس لیے یہ علت نہیں۔

[2] واجب کرنے والے نے!

Marfat.com

تو ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اسے متعین کرنے لگیں

حکایت :- کسی زندگ سے پوچھا گیا کہ معراج میں خدا تعالےٰ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ؎

اکنوں کہ اد ماغ کہ پرسد ز باغباں — بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

حقیقت میں ہمارا کیا منصب ہے کہ ہم احکام کی علل دریافت کریں ہمارا تو یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو — نیندیشتن علت از کار تو

(۱۴۸) حق تعالیٰ سے علاوہ انکے حاکم ہونے کے ہم کو ان سے

محبت کا بھی علاقہ ہے

دیکھیے خدا تعالیٰ کے تو بہت سے حقوق ہیں حاکم ہونے کا بھی محبوب ہونے کا بھی تو فرض کیجئے۔ اگر کسی بازاری عورت سے پوری ہی محبت ہو جائے اور وہ بے ڈھنگے ہی حکم کرے تو اُن کو نہایت خوشی سے پورا کروگے یا نہیں تو اگر خدا تعالیٰ کی طلب ہی نہیں تب تو ایسے لوگوں سے گفتگو ہی نہیں اور اگر طلب ہے تو یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ؎

؎ اب کس کا دماغ ہے کہ باغبان سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا ہمارا کام تو آپ کے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ رکھنا ہے۔ آپ کے کام میں علتیں گھڑنا نہیں۔

Marfat.com

زندہ[1] کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

آج کل لوگوں کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے کچھ بھی علاقہ نہیں اگر محبت ہوتی تو کیا اتنا بھی نہ کیا جاتا جتنا ایک بازاری عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

عشق مولیٰ[2] کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

بہر حال محبت کی رُو سے دیکھئے یا حکومت کی رُو سے ہر طرح سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے اور محبّت تو ایسی چیز ہے کہ اس میں لوگوں نے اپنی جانیں دے دی ہیں۔

حکایت :- ایک وکیل صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ایک بزرگ صاحب حال جن کو لوگ مسخرا سمجھا کرتے تھے حج کے لیئے گئے جب خانہ کعبہ کے سامنے پہنچے تو مطوف کی زبان سے نکلا کہ یہ کعبہ ہے اس وقت ان پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوئی اور یہ شعر اُن کی زبان سے نکلا ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر کہ مباد بار دیگر نہ رسی بدیں تمنّا

یہ کہتے ہی ایک چیخ ماری اور جان بحق ہو گئے۔

---

[1] زندہ کریں تو آپ کا انعام ہے۔ اور اگر مار ڈالیں تو آپ پر فدا ہو جاؤں گا۔ بس جان آپ پر فریفتہ ہے۔ جو کچھ کریں آپ کی خوشی [2] اللہ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہو سکتا ہے۔ ان کے واسطے ہی گیند کی طرح لڑھکتے رہنا بہتر ہو گا [3] جب تم محبوب کے کوچہ میں پہنچ جاؤ تو یہ بیقرار جان اسکے سپرد کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسری بار تم اس آرزو کیلئے تڑپتے رہو۔

Marfat.com

حکایت :- حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے سامنے کسی نے یہ پڑھ دیا کہ جاں[1] بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ - آپ نے فرمایا کہ محبوب جان طلب کر رہا ہے مگر افسوس کوئی جان دینے والا نہیں - اور پھر فرمایا کہ جاں[2] دادم و جاں دادم و جاں دادم - اور یہ کہتے ہی جان نکل گئی -

(۱۴۹) دین کے تیسرے جزو معنی عمل کا بیان

بس اب تیسری چیز یُزَکِّیْ[3] میں عمل ہے اور اگر وہ نہ ہو تو علم کچھ بھی نہیں تو عمل کی تقسیم یہ ہے کہ ایک تو اعمال ظاہری ہیں اور ایک اعمال باطنی[4] اس وقت جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں وہ صرف اعمال ظاہری پر متوجہ ہیں ورنہ باطن کی یہ حالت ہے کہ ؎

از[5] بروں چوں گور کافر پر حُلَل — وندروں قہر خدائے عز و جل

از[6] بروں طعنہ زنی بر بایزید — وز درونت ننگ می دارد یزید

کیا معنی کہ باطن اکثر لوگوں کا درست نہیں - باطن کی درستی ایک تصحیح عقائد ہے جس کو کم و بیش حاصل بھی کیا جاتا ہے دوسرے تہذیب اخلاق جس کو

---

[1] جان دیدو، جان دیدو جان دیدو [2] میں نے جان دیدی جان دیدی، جان دیدی۔ [3] بُری عادتوں سے پاک کرتے ہیں [4] دل کے عمل باقی ظاہر کے ہیں [5] باہر سے تو کافر کی قبر کی طرح ہیں کہ حلّوں والی ہے اور اندر خدا کا قہر و غضب ہے [6] باہر سے تو تم حضرت بایزید بسطامی پر طعن کرتے اور پاکباز بنتے ہو اور اندر میں تم سے یزید بھی عار محسوس کرتا ہے۔

Marfat.com

تصوف کہتے ہیں اور وہ بالکل متروک ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو بے
التفاتی اہلِ دُنیا کی۔ دوسرے بے عقل منتسبین الی التصوف کی یعنی آج کل
رسوم کا نام تصوف رکھ چھوڑا ہے۔ حقیقت تصوف کی ہے تصحیح ظاہر و الباطن
ظاہر کا درست کرنا یہ ہے کہ اقوال و افعال سب شریعت کے موافق ہوں
اور باطن کی درستی یہ ہے کہ قلب کی حالت درست ہو یعنی ایک تو اخلاق
باطنی درست ہوں توکل ہو۔ شکر ہو۔ رذائل کو دور کیا ہو۔ جیسے حُبِّ دنیا وغیرہ
یہ ہے تصوف تو اس وقت لکھتے پڑھتے بھی صرف ظاہر کر لیے ہوئے ہیں اور
جنہوں نے باطن کو لیا انہوں نے ظاہر کو چھوڑ دیا تو گویا تقسیم کر لیا ہے کہ جو ظاہر
کو لیں وہ باطن کو چھوڑ دیں اور جو باطن کو لیں وہ ظاہر کو چھوڑ دیں اور بعض نے
دونوں کو چھوڑ دیا وہ نہ نماز روزہ کریں نہ تصفیۂ باطن بلکہ حب دنیا و حُبِّ جاہ
میں غرق ہیں۔ اور یہ تینوں قسم کے لوگ تصوف سے بمراحل دور ہیں غرض تصوف
اصلاح ظاہر و باطن کا نام ہے نہ کہ رسوم کا بلکہ احوال مستعارہ کا نام بھی نہیں
یہ احوال اگر نہ بھی ہوں تو نسبت مع اللہ پیدا ہو سکتی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ
طاعت میں سہولت ہو اور دوام ذکر پہ توفیق ہو۔

رہے رسوم کہ قبر پہ کپڑے چڑھانا۔ عرس کرنا۔ کپڑے رنگین پہننا سماع سننا

لہ تصوف کی طرف منسوب ہونے والوں یعنی ناقص پیروں کی ۲ ظاہر و باطن کو شرع کے
موافق بنانا ۳ بُری عادتیں جیسے اسباب پر نظر عزو ناشکری بخل وغیرہ ۴ منزلوں۔
۵ دلوں پہ عام طور سے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔

Marfat.com

سو اس کو کوئی تعلق تصوف سے نہیں ہے احوال اگرچہ کبھی مقامات پر مترتب ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ تصوف کے اجزاء یا اس کے لوازم سے نہیں اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ذکر میں کبھی ان کو وجد وغیرہ ہونے لگے تو سمجھتے ہیں کہ اصل مقصود حاصل ہو گیا۔ اور اگر نہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ کچھ فائدہ ہی نہیں ہوا حالانکہ ذکر سے مقصود یہ نہیں ہے بلکہ مقصود حقیقی یہ ہے کہ حکم ہے کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ[1] جس کا ظہور آخرت میں ہوگا اور عاجل مقصود یہ ہے کہ کثرت ذکر سے نسبت مع اللہ ہو جائے۔ اور اس سے سہولت فی الطاعۃ ہو تو یہ ایک غلطی تو متصوفین کو ہوئی۔ دوسری غلطی منکرین کو ہوئی کہ انہوں نے صوفیہ کو خشک دماغ بتایا حالانکہ وجد وغیرہ کا سبب یہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ کبھی اس میں تھوڑا دخل احوال طبعیہ کو بھی ہوتا ہے لیکن ہمیشہ اور ہر حالت کو ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ غرض ان کو عین تصوف سمجھنا بھی غلطی ہے اور بالکل مبائن خارج سمجھنا بھی غلطی ہے فیصلہ یہ ہے کہ داخل تو نہیں مگر متعلق ہے اور ایک درستی قلب کی یہ ہے کہ عقائد درست ہوں جس کا ضروری ہونا ظاہر ہے اور عمل ظاہری کا ضروری ہونا بھی ظاہر ہے۔

(۱۵۰) قرب الٰہی سے مراد

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ

---

[1] تو تم میرا ذکر کیا کرو میں تمہیں یاد کروں گا [2] جلدی کا یعنی دنیا میں کامیاب تصوف کا دعوے کرنے والوں کو۔ [3] سخت مخالفت شے اور نہیں ہیں تمہارے مال اور نہ اولادیں کہ جو تم کو ہم سے خوب قریب کر دیں۔ سوائے اسکے جو ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کیواسطے دوگنا ثواب ہے۔ ان عملوں کے

Marfat.com

عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ۔ یہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بڑی دولت کا پتہ اور اس کے حصول کا طریقہ بتایا ہے۔ اور جو غلطیاں ان سے واقع ہو گئی ہیں۔ ان پر تنبیہ فرمائی ہے اس آیت کے ترجمہ سے اس دولت کا پتہ چل جائے گا۔ مگر اوّل جہلاً اس کا پتہ بتلاتا ہوں۔ کیونکہ بہت کم لوگ اس کو دولت سمجھتے ہیں اور اہل دنیا تو کیا سمجھتے اکثر اہل دین بھی اس پر نظر بہت کم کرتے ہیں اور وہ دولت قرب خداوندی ہے اور وہی اس آیت میں مذکور ہے اور اس قرب کی حقیقت عنقریب معلوم ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں قرب جسمانی تو ہے نہیں کہ فاصلہ کم ہو جائے۔ کیونکہ یہ خواص جسم سے ہے۔ باقی جو چیزیں مادی نہیں ہیں۔ اگرچہ حادث اور ممکن ہوں ان میں قرب متصور نہیں ہے تو جو ذات پاک امکان اور حدوث سے بھی منزّہ[1] ہے۔ اس میں یہ قرب کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔

(۱۵۱) جہلا صوفیہ کی قرب کے معنی سمجھنے میں غلطی

اور یہاں سے ان عوام الناس کی غلطی معلوم ہوگی جو خواص کی صورت میں ہیں۔ اور خواص سے علماء و امراء مراد نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ تو ایسی غلطیوں

---

[1] بری و پاک اس سے پہلے معدوم ہو پھر موجود ہو جائے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ ہے [2] جسمانی قرب جو دو جسموں میں ہی ہو سکتا تھا۔

Marfat.com

سے محفوظ ہیں۔ بلکہ مشائخ اور صوفیہ مراد ہیں تو جو لوگ ان حضرات کی صورت بنائے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ عامی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ قرب خداوندی قرب جسمانی ہے۔ اور اس کا پتہ ان کی مثالوں سے چلتا ہے۔ اگر محققین سے اس قسم کی کوئی مثال منقول بھی ہو تو ہم اس میں تاویل کریں گے۔ لیکن یہ عوام اس قسم کے اقوال میں تاویل بھی نہیں کرتے بلکہ ان کے ظاہری متبادر معنی مراد لیتے ہیں۔ اور اس قسم کے اقوال بولنے والے بعض تو وہ ہیں کہ خدا کو دریا اور اپنے کو موج کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ قطرہ اور دریا کی تشبیہ دیتے ہیں۔ تو اگر تشبیہات کسی معتبر کلام میں پائی جائیں گی تو ہم اس کی تاویل کریں گے۔

(۱۵۲) علی الاطلاق تشبیہ کا انکار کرنا غلو مذموم ہے

کیونکہ محض تشبیہ پر انکار کرنا تو غلو ہے۔ قرآن شریف میں خود تشبیہ موجود ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ الآیۃ۔

لہ عام ذہنوں میں آنے والے سے یعنی ایسے بزرگ کے کلام میں جن کی بزرگی احتیاط اور علم مانی ہوئی چیزیں ہوں سے ہر قسم کی سے اللہ تعالیٰ ہی تمام آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والے ہیں انکے روشن کرنے کی مثال یہ ہے جیسے ایک طاقچہ ہو اس میں ایک چراغ ہو اور چراغ ایک شیشہ میں ہو گویا وہ چراغ ایک چمکتا ستارہ ہے۔ آخر آیت تک

Marfat.com

اس میں تصریح ہے کہ نور خداوندی کی صفت ایسی ہے جیسے کہ ایک طاقچہ ہو کہ اس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ میں اور اس چراغ کی یہ حالت ہو جیسے کہ ایک درخشاں ستارہ الیٰ آخر الآیۃ پس جب قرآن میں خود تصریح تشبیہ کی ہے۔ تو اگر مطلق تشبیہ مذموم ہوتی تو قرآن میں یہ تشبیہ کیوں مذکور ہوتی اور یہ اس واسطے میں نے ذکر کیا کہ آجکل بعض منشددین بہت غلو کرنے لگے ہیں کہ محض ظاہری الفاظ دیکھ کر معنی میں غور نہ کر کے کفر و بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے۔ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ۔ کہ حق سے آگے نہ بڑھو۔ کہ یہ غلو فی الدین ہے۔ مثلاً جس چیز کی نظیر قرآن میں موجود ہو اس کو علی الاطلاق حرام کہہ دیا جائے۔

(۱۵۳) تشبیہ کی حقیقت

ہاں وجہ شبہ متعین کرنی چاہیئے تو سمجھ لو کہ تشبیہ میں مشارکت ہوتی ہے دو چیزوں کی کسی خاص امر میں مثلاً کسی کے چہرہ کو چاند سا کہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس میں یہ اور چاند شریک ہیں یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چہرہ بھی اسی قدر بڑا جسم ہے جس قدر چاند یا چاند میں بھی آنکھ ناک، کان خدوخال موجود ہیں۔ یا جیسے چاند کے ہاتھ پیر نہیں اس شخص کی بھی نہیں علیٰ ہذا خدا تعالیٰ نے جو تشبیہ

لہ آیت کے ختم تک ۲ سختی کرنے والے ۳ اپنے دین کے بارہ میں غلو نہ کرو حد سے نہ بڑھو
۴ سوائے حق بات کے ۵ دین میں غلو کرنا اور حد سے بڑھنا ہے ۶ وہ صفت جس میں دونوں شریک ہوں
۷ یعنی چمک دمک ۸ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پوری طرح روشن کرنے میں تشبیہ دی ہے۔

Marfat.com

دی ہے کہ کمال نورانیت میں اس کے مشابہ ہے اگرچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں کمال ایک درجہ کے نہیں جس طرح کلی[1] مشکک کے افراد مختلف ہوتے ہیں برابر نہیں مگر کوئی امر مشترک اس میں ضرور ہوتا ہے مثلاً شدت[2] ضیاء اور مشبہ[3] بہ کا اکمل ہونا بھی ضروری نہیں البتہ اوضح یا[4] اشہر ہونا ضروری ہے تو اسی طرح سے اگر کسی محقق کے کلام میں خدا کو دریا اور اپنے کو قطرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہو تو وہ کسی خاص امر میں ہوگی۔ جیسا کہ مغربیؒ نے کہا ہے ؎

ز دریا[5] موج گوناگوں بر آمد ز بے رنگی بہ رنگ چوں بر آمد

---

[1] وہ عالم مفہوم جو بہت چیزوں پر مگر کم زیادہ اور زیادہ سے زیادہ ہو کر صادق ہو اور جن پر وہ صادق ہے یعنی افراد مختلف ہونگے۔ جیسے سیاہ کا مفہوم ہلکی اور سخت سب پر ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا پوری طرح روشن کرنا بے انتہا اعلیٰ اور چراغ کا بہت کم ہے [2] خوب روشنی [3] جس سے تشبیہ دی جائے یہ ایک شبہہ کا جواب ہے۔ شبہ یہ تھا کہ جس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ وہ وجہ شبہ یعنی صفت مشترکہ میں زیادہ کامل ہوتا ہے چہرہ کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں چاند چمک میں زیادہ کامل ہے تو کیا یہ چراغ روشن کرنے میں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کامل تھا جو اس سے تشبیہ دی گئی ہے [4] زیادہ واضح یا زیادہ مشہور تو جواب یہ ہوا کہ جس سے تشبیہ دی جاتی ہے اس کا کامل ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ زیادہ واضح یا زیادہ مشہور ہونا ضروری ہے تو لوگوں کی نظر میں چراغ واضح تھا۔ [5] دریا میں سے رنگا رنگ موجیں نکلی ہیں تو دریا بے رنگ ہونے کے بعد کیسے کیسے رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے یعنی حق تعالیٰ کی قدرت نے جوہر محتاجی سے پاک ہے کیسی کیسی وجوہات پابند جسامت و صورت و قول و عرض و رنگا رنگ بنائی ہے۔

Marfat.com

افسوس ہے کہ یہ حالت ہے کہ جنہوں نے ایک پارہ قرآن کا بھی نہیں پڑھا وہ ان اشعار کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور ان پر وجد کرتے ہیں۔ حالانکہ خاک بھی نہیں سمجھتے۔ اور اگر کچھ سمجھتے ہیں تو یہی کہ خدا پھیلا ہوا ہے اور ہم اس سے نکلے ہیں اور یہ سمجھ کر اپنا دین برباد کرتے ہیں۔ ایسے اشعار کا ان کے سامنے پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۵) خلاف قاعدہ شریعت کے عبادت بھی گناہ ہے

اور اس عدم جواز کے حکم سے کوئی تعجب نہ کرے دیکھئے حکماء امت نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ بعض لوگوں کے لئے حج کو ناجائز کہہ دیا ہے مثلاً ایک ایسا شخص کہ جس کے پاس زاد راہ بھی نہ ہو بیوی بچوں کے دینے کو بھی کچھ نہ ہو اس کے لئے سفر حج کو بالکل ناجائز کہا جاوے گا۔ اور یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں دیکھو عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا ناجائز ہے حالانکہ نماز کتنی بڑی عبادت ہے۔ علی ہذا عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے بات یہ ہے کہ ہر عبادت میں کچھ قیود وجوب کے ہوتے ہیں اور کچھ شرائط جواز کے ہوتے

---

۱ اور یہ دونوں باتیں کفر کی ہیں پھیلنے والا جسم کہنا اور اس سے نکلنا کہنا لم یلد اور لم یکن لہ کفوا ۲ حد اور لیس کمثلہ شیء کے خلاف اور کفر ہے ۳ حدیث سے ۴ ایسے ہی حدیث شریف ہے ۵ واجب ہونے کی قیدیں اور شرطیں کہ وہ نہ ہوں تو وہ عبادت فرض و واجب ہی نہ ہو ۶ جائز ہونے کی کہ انکے نہ ہونے میں ادا کرنا جائز نہیں گو وہ فرض یا واجب ہو چکی ہے۔

Marfat.com

ہیں تو حج میں استطاعت[1] وجوب حج کی شرط ہے اور اہل و عیال کا حق ضائع نہ ہونا جواز حج کی شرط ہے۔ اس کو حضرت مسعود بک رح خوب فرماتے ہیں اور واقعی حضرت کا کلام بدون علم ظاہری کے سمجھنا نہایت دشوار ہے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمانے کا ہر شخص مخاطب ہے مگر واقع میں مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں سو فرماتے ہیں۔

اے[2] قوم بحج رفتہ کجائید کجائید — معشوق درین جاست بیائید بیائید

یعنی تمہارے لیے محبوب اسی جگہ ہے کیونکہ مقصود رضائے حق ہے تو اگر بحالت مذکورہ بالا مکہ جاوے گا تو خلاف رضائے حق ہوگا۔ اس لیے خدا نہ ملے گا اس لیے کہ محض سفر مکہ سے خدا تعالیٰ نہیں[3] ملتا مثلاً اگر کوئی نفل حج کر کے بیوی کا حق ضائع کر دے تو خدا تعالیٰ کب راضی ہو سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں حج کرنا بھی ناجائز ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے سامنے کعبہ کی حالت بیان کرنا جس سے وہ مغلوب[4] الشوق ہو کر سفر میں چلا جاوے جائز نہیں۔ دیکھو ظاہر نظر میں یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی لیکن واقع میں بہت صحیح فرمایا اس واسطے کے حالات سنکر سفر کا شوق پیدا ہوگا اور بوجہ عدم استطاعت

---

[1] وہاں پہنچنے کی طاقت مالی و جانی وغیرہ [2] اے حج کو گئی ہوئی جماعت (جو حقوق ضائع کر کے گئی ہے) تم لوگ کہاں ہو کہاں ہو۔ محبوب تو اسی جگہ ہے آؤ۔ آؤ یعنی اسکی رضا تمہارے لیے اسوقت یہاں ہے۔ وہاں نہیں۔ [3] گو فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر ترک حقوق کا گناہ ہوگا۔

[4] جس پر شوق غالب ہو جائے۔

Marfat.com

کے یہ سفر معصیت ہو گا تو اس کا جو سبب ہے وہ بھی معصیت ہو گا۔ واقعی اوّل اوّل جس نے امام غزالیؒ کا یہ قول سنا ہو گا اس نے امام کو کافر کہا ہو گا حالانکہ امام بالکل ٹھیک لکھ رہے ہیں کہ جب سفر معصیت ہے اور تذکرہ اسکا سبب ہے تو تذکرہ بھی معصیت ہو گا۔ غرض کیسی ہی عبادت ہو وہ کسی نہ کسی وقت ناجائز ہو جاتی ہے ایک اور مثال یاد آئی۔ نیک کام میں چندہ دینا عبادت ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ بھی جائز نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا چندہ لینے سے اس لیے انکار فرمایا کہ وہ اس واقعہ سے پہلے خود سوال کر چکا تھا تو اس چندہ دینے کا مآل یہ ہوتا کہ جب اپنے پاس کچھ نہ رہتا تو پھر سوال کرتا۔ خوب سمجھ لو بس شریعت جو کچھ حکم کرے وہ کرو۔ جہاں شریعت پڑھنے کی اجازت دے پڑھو اور جہاں روکے رک جاؤ۔

(۱۵۵) مسلمانوں کی اصلی شان عبدیت ہے

بالکل مسلمان کی وہ حالت ہونی چاہیئے جیسے ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا کھایا کرتے ہو کہنے لگا جو کچھ آپ کھلا دیں گے وہی میری غذا ہے اور بزبان حال یہ کہا۔

۱؎ کہ کعبہ شریف کی عظمت کے بیان سے روکتے ہیں اور عظمت کی مخالفت کرتے ہیں۔ ۲؎ ابوداؤد

Marfat.com

زندہ کنی عطائے تو وردہ بکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو۔ ہر چہ کنی رضائے تو

جب غلام کی شان آقا کے سامنے یہ ہے تو کیا خدا تعالےٰ کے سامنے بندہ کی یہ شان بھی نہ ہو۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے سامنے ایسا ہو جائے جیسے مردہ بدست زندہ اور آپ کے احکام جیسے کبھی منصوص ہوتے ہیں۔ اسی طرح غیر منصوص اور مستنبط بھی ہوتے ہیں اور یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے احکام ہیں اور فقہ اور حدیث میں یہی فرق ہے کہ حقیقت ایک ہے اور لباس جدا جدا ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم

عاشق کی یہ شان ہوتی ہے کہ محبوب جس جوڑہ میں بھی آوے وہ پہچان لیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ عاشق نہیں۔ تو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں ان کو حدیث و فقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشادات نظر آتے ہیں ف بہر حال شریعت کے احکام یہ ہیں اور یہ واجب العمل اور متبوع ہیں تو جب

لہ اگر زندہ کریں آپ کا انعام ہے۔ مار ڈالیں تو آپ پر فدا ہو جاؤں غرض جاں آپ پر فریفتہ ہے۔ جو کچھ کریں آپ کی مرضی ہے ۲ جو صاف نہ ہو اور قرآن و حدیث کے حکم کی کوئی علت ہو جو اس میں پائی جاتی ہو۔ اس لیے اس کو قرآن و حدیث کے حکم میں اس علت کے پائے جانے سے داخل کریں یہ استنباط ہے۔ اسطرح جو حکم لیا جائیگا وہ بھی حضور ہی کا ہی حکم ہوگا۔ ۳ اصل حکم اللہ رسول کا ہے مگر ایک جگہ صاف ہے اور ایک جگہ علت کی شرکت سے

ف تم جس رنگ کا لباس چاہے پہن لو میں تو تمہارے قد کا انداز ہی پہچان لیتا ہوں۔

Marfat.com

حج کو جانا بعض کو ناجائز ہے تو یہاں سے قیاس کر کے دیکھ لو کہ جب بعض اوقات عبادت ناجائز ہو جاتی ہے تو ایسے اشعار[۱] کا گو وہ صحیح ہوں ذکر کرنا ان لوگوں کے سامنے جب کہ ان میں کوئی مفسدہ ہو اگر ناجائز ہو جائے تو کیا عجب ہے اسی لیے حدیث میں ہے کلموا[۲] الناس علی قدر عقولھم ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کسی کے سامنے اس کی عقل سے بڑھ کر کلام کیا گیا وہ اس کے لیے فتنہ ہو گیا۔

(۱۵۶) مضامین غامضہ[۳] کو دیکھنا اور سننا عوام کو ممنوع[۴] ہے

تو اب جو ایسے اشعار عوام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اگرچہ وہ حافظ اور مغربی ہی کے ہوں، تو یہ عوام کے لیے فتنہ ہوں گے یا نہیں ان حضرات کے کلام کے صحیح ہونے میں کلام نہیں جو کچھ انہوں نے کہا صحیح ہے۔ لیکن ان کے سمجھنے کے لیے فہم صحیح اور طبیعت سلیم درکار ہے مولانا ایسے ہی نازک مضامین کی نسبت فرماتے ہیں

نکتہا[۵] چوں تیغ پولاد ست تیز گر ندا ری تو سپر واپس گریز

---

[۱] جن میں اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا بیان کر رکھا ہو اور تاویل سے یا باریک معنے سے وہ صحیح بھی ہوں ان کو کم سمجھ کے سامنے پڑھنا [۲] لوگوں سے انکی عقل کے موافق بات کیا کرو۔ [۳] باریک اور گہرے [۵] وہ صحیح مفہوم تک نہیں پہنچتے تو گمراہ ہو جاتے ہیں [۶] بہت سے نکتے فولادی تلوار کی طرح تیز ہیں۔ اگر تم ڈھال نہیں رکھتے تو ان سے دور بھاگ جاؤ۔

Marfat.com

کہ بہت سے نکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سپر سے مراد فہم ہے۔ یعنی اگر فہم نہ ہو تو دور رہو آگے فرماتے ہیں ؎

پیش[1] ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

کہ اس کے سامنے بدون سپر مت آ کیونکہ الماس اگر اس کے سامنے پڑے گا یہ اس کو قطع کر دے گا اور اسی واسطے ابن العربی نے کہا ہے یحرم[2] النظر فی کتبنا۔ رہا یہ شبہ کہ جب کتاب کے دیکھنے کی اجازت نہیں تو پھر لکھا تھا کیوں یہ شبہ اکثر بڑے لوگوں کو بھی ہو جاتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ وہ حالات جو ان پر طاری ہوئے دوسرے لوگوں پر بھی طاری ہو سکتے ہیں تو انہوں نے اپنے سے پچھلے لوگوں کے لیے جن پر وہ حالات طاری ہوں اپنے اقوال و احوال کو مدوّن کیا ہے تاکہ پچھلوں کے پاس معیار رہے۔ ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ہماری طاعت قبول ہے یا مردود۔ اور جب پہلوں کے حالات مدون ہیں تو نہایت آسان ہے کہ اس پر منطبق کر کے دیکھ لو اگر مطابق ہو تو صحیح ورنہ باطل تو خلاصہ یہ ہوا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے جیسوں کے لئے لکھا ہے۔ عوام الناس کے لئے اس کو دیکھنے سے منع کر دیا بلکہ وہ اخفاء کا اسقدر اہتمام کرتے ہیں کہ ان کے سامنے ان مضامین کا اگر کوئی انکار بھی کرتا ہے تب بھی اُن کو جوش نہیں آتا اور وہ بیان نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں بہ

---

[1] اس کاٹ دینے والے ہیرے کے سامنے بغیر ڈھال اور بچاؤ کے مت آؤ کیونکہ تلوار کو کاٹ ڈالنے میں شرم نہیں ہوا کرتی [2] رکم سمجھ لوگوں کو ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہے۔

Marfat.com

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگزار تا بمیرد در رنج خود پرستی[1]

رسول کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے علوم کا اعلان کرے اور ولی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے علوم کا اخفا کرے اس لیے ان کو کبھی ہیجان بھی نہیں ہوتا البتہ اپنے خواص سے بیان کرتے ہیں تو کوئی کلام غیر اہل کے سامنے بیان مت کرو۔

(۱۵۷) احوال[2] و اسرار[3] کا اخفاء عوام سے ضروری ہے

تصوف کے اجزاء بہت سے ہیں۔ منجملہ ان کے احوال بھی ہیں ان کو کسی سے بیان نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اپنے خاص معاملات ہیں۔ خدا تعالےٰ کے ساتھ[4] اُن کے ظاہر کرنے سے اپنا باطنی نقصان ہوتا ہے نیز ایک جزو اس میں سے علم مکاشفہ اور اسرار بھی ہیں۔ ان کو بھی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اور بہت سی غلط فہمیاں سننے والوں سے ہو جاتی ہیں جن سے ان کا بہت نقصان ہو جاتا ہے اور عوام کے نہ سمجھنے کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ دیکھو اگر کسی

---

[1] دعویدار کے سامنے عشق و مستی کے راز مت کہو اس کو چھوڑ دو کہ خود کو کچھ سمجھنے کی فکر ہی میں مرجائے۔ [2] ذکر و شغل سے دل کے جو عجیب عجیب حالات ہوتے ہیں۔
[3] کائنات عالم کی جو اگلی پچھلی باتیں اور راز بذریعہ کشف معلوم ہو جایا کرتے ہیں۔
[4] بعض دفعہ وہ جاتی رہتی ہیں۔

Marfat.com

شخص نے کبھی آم نہ دیکھا ہو اور اس کے سامنے آم کی کیفیت بیان کی جاوے۔ تو کیسی ہی جامع[1] مانع حقیقت بیان کرو۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

پرسیدے[2] کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ما شوی بدانی

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امور وجدانیہ وجدان ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اور وجدان محض سننے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اسی واسطے محققین اجانب پر کبھی نظر نہیں کرتے اب بے احتیاطی ہو گئی ہے کہ عام مجالس میں اس قسم کی غزلیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور کوئی نہیں سمجھتا میں ایسے لوگوں سے بہت ملا ہوں کہ ان الفاظ کے معنی غلط سمجھتے ہیں۔

حکایت :- ایک ایسا ہی شخص مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ تصور شیخ جائز ہے یا نہیں میں جائز کہنے کو تھا بشرائط مگر میرے ذہن میں آیا کہ شاید یہ تصور شیخ کے معنی غلط سمجھ رہا ہو۔ اس لیے میں نے اس سے پوچھا کہ تصور شیخ کے کیا معنی ہیں کہنے لگا کہ خدا کو بشکل شیخ سمجھنا اِنَّا لِلّٰہِ حالانکہ قرآن شریف میں تصریح ہے لَیْسَ[3] کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور یہ جو بعض آیات میں یَدُ اللّٰہِ[4] فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ وغیرہ آیا ہے۔ وہاں ید وغیرہ سے یہ مراد نہیں کہ ہم جیسے ہاتھ پیر ہیں بلکہ

---

[1] ایسی تعریف جو ہر قسم کے آم پر صادق ہو اور دوسری کسی چیز پر نہ ہو سکے۔
[2] ایک شخص نے پوچھا کہ عاشق ہونا کیا چیز ہے میں نے کہا کہ ہم جیسے ہو تو جان جاؤ گے۔
[3] اس کے مشابہ تو کوئی بھی چیز نہیں [4] اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

Marfat.com

جو اس[1] کے مناسب ہوں ہم اس کی حقیقت دریافت نہیں کر سکتے ہماری مثال عدم احاطہ حقیقت میں ایسی ہے۔ جیسے ایک پانی کا کیڑا انسان کی مصنوعات ریل اور تار وغیرہ کو دیکھے۔ اور اُن کی ناتمام حقیقت دریافت کر کے اندازہ کرے کہ جس نے یہ بنایا ہوگا۔ وہ اس قسم کا ہوگا۔ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں کی حقیقت کو دریافت کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس مثال سے بھی بالاتر ہیں۔ لیکن تقریب فہم کے لئے اس مثال کے ضمن میں اس کو ظاہر کیا گیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ای برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم[2]

(۱۵۸) حق تعالیٰ کی کُنہ[3] کا ادراک طاقت بشریہ سے خارج ہے

غرض خدا تعالیٰ کو کیا کوئی پہچان سکتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] جو اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق ہوں حقیقت معلوم نہیں اور یہ متقدمین کا مذہب ہے۔ راجح و قوی ہے اور متاخرین کوئی مجازی معنے مقام کے مناسب لیتے ہیں مثلاً ید سے قوت

[2] اے وہ ذات جو خیال و قیاس و گمان و وہم سے اور جو کچھ لوگوں نے بیان کیا جو ہم نے اب تک سنا اور پڑھا ہے سب سے بہت بالا ہے [3] سب تحریریں اور کتابیں ختم ہو گئیں اور عمر اخیر کو پہنچ گئی۔ مگر ہم ویسے ہی آپ کی تعریف و توصیف کے ابتدائی مرحلہ میں رہے ہیں۔

[3] حقیقت کو معلوم کر لینا، انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

Marfat.com

اعلمنا باللہ تھے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ہے۔ اِنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ آپ بھی اس سے اپنا عجز ظاہر فرماتے ہیں کہ لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ یہاں تو منتہاء ثنا یہ ہے کہ ؎

خامشی از ثنائی تو حد ثنائے تست

اور یہی خاموشی حاصل ہے۔ حدیث مذکورہ کا حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اس عجز کو عجیب عنوان سے فرماتے ہیں کہ ؎

خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم بہ راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفٰے بس — محمد حامد حمد خدا بس

خدا کی طرف سے حضورؐ کی تعریف، اور حضورؐ کی طرف سے خدا کی تعریف کافی ہے آگے فرماتے ہیں کہ ؎

مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد — بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

بخاری

۱؎ اللہ تعالیٰ کو ہم سب سے بہت زیادہ جاننے والے۔ ۲؎ بیشک میں تم سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوں ۳؎ میں آپ کی تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا بس آپ ایسے ہیں جیسا کہ خود آپ نے اپنی تعریف بیان کی ہے ۴؎ آپ کی تعریف ہے خاموش ہو جانا ہی آپ کی تعریف کی حد ہے۔ یعنی ہمارے بس میں ہے ہی نہیں ۵؎ اللہ تعالیٰ ہماری حمد کے انتظار میں نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعریف کی راہ پہ آنکھ لگائے ہوئے نہیں۔ ۶؎ بس خدا تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو وجود بخشنے والے ہی کافی ہیں اور حضور حق تعالیٰ کی ثنا کرنے والے ہی کافی ہیں۔ ۷؎ اگر تم کوئی مناجات بیان کرنا چاہتے ہو تو صرف ایک شعر پہ بھی قناعت کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

محمد[1] از تو می خواہم خدا را　　الٰہی از تو حب مصطفےٰ را

حقیقت میں بیمثل مضمون ہے باقی کوئی یہ نہ کہے کہ حضورؐ تو فرماتے ہیں لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ[2] اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ثنا کرنا کافی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ کفایت ہمارے اعتبار سے ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کو کما حقہ کوئی نہیں پہچان سکتا ؎

دور[3] بینان بارگاہ الست　　جز ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

یعنی اتنا معلوم ہوا کہ موجود ہے باقی یہ کہ کیا ہے اور کیسا ہے اس کے لیے بس یہ سمجھیے کہ ؎

اندریں[4] رہ ہر چہ می آید بدست　　حیرت اندر حیرت اندر حیرت ست

شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

چہ[5] شبہا نشستم دریں سیر گم　　کہ حیرت گرفت آستینم کہ قُم

---

[1] اے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ سے تو خدا کو چاہتا ہوں (ان تک پہنچا دیجئے) اے اللہ آپ سے حضورؐ کی محبت مانگتا ہوں [2] میں آپ کی تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا [3] اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کی بارگاہ کے دور تک کی نظر رکھنے والے اس کے سوا کھوج نہیں لگا سکے۔ کہ بس وہ ہیں [4] اس راہ میں جو کچھ ہاتھ آ سکتا ہے حیرت در حیرت در حیرت ہی ہے۔ یعنی حقیقت کے ادراک کر سکنے کی قابلیت ہی انسان میں نہیں۔ [5] کتنی ہی راتوں میں میں اس بات کی دماغی سیر میں گم بیٹھا رہا یہاں تک کہ حیرت نے میری آستین پکڑی کہ اٹھ۔

Marfat.com

محیط[1] است علم ملک بر بسیط　　قیاس تو بر وے نگردد محیط
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار[2]　　کہ پیدا نشد تختۂ بر کنار

کون احاطہ کر سکتا ہے خدا تعالیٰ کے کمالات کا ہاں ہم ایمان لاتے ہیں کہ ہم اس سے آگے رائے سے کام نہیں کر سکتے۔ دیکھو افواج تک کا تو پتہ لگ ہی نہیں سکتا تو صفات کا کیا پتہ لگ سکتا ہے یہاں تو اقرار عجز کی بالکل وہ حالت ہونا چاہیئے جیسے کہ۔

حکایت :۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ شب معراج میں کیا کیا گفتگو خدا تعالیٰ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ؎

اکنوں[3] کہ ادماغ کہ پرسد ز باغباں　　بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

حقیقت میں کس کی مجال ہے اور جو کچھ کہدیتے ہیں وہ اپنے ہیں کر اچلنے ہیں ورنہ اہل کمال کا یہی مشرب ہے جو میں نے بیان کیا۔ اسی طرح اسرار خداوندی کا بھی جو متعلق اکوان[4] کے ہیں احاطہ نہیں ہو سکتا۔ ان کی نسبت عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

---

[1] اس سارے لمبے چوڑے جہاں کو اللہ تعالیٰ کا علم گھیرے ہوئے ہے مگر تمہاری عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی یعنی جب ایک صفت کا بھی ادراک نہیں کر سکتے تو ذات کا کیسے کر سکتے ہو۔ [2] اس بھنور میں تو ہزاروں کشتیاں ڈوب ڈوب گئی ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا ایک تختہ تک بھی کنارہ پر ظاہر نہیں ہو سکا۔ [3] اب کس کا دماغ ہے کہ باغ والے سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا۔ [4] موجودات سے تعلق والے۔

Marfat.com

حدیثِ[1] مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

جب رازِ دہر کے پیچھے پڑنے سے منع کرتے ہیں تو رازِ حق کی تو کیا انتہا ہے۔

(۱۵۹) حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت پر شفقت کی وجہ سے غیر ضروری علوم میں پڑنے سے روک دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر شفیق تھے کہ جس چیز کو بے سُود دیکھا اور فلاح دین یا دُنیا میں اس کی حاجت نہ دیکھی اسکی گفتگو کرنے سے منع کر دیا۔ اور ایسے دقائق و غوامض پر چونکہ نجات موقوف نہیں اس لیے اس کی حاجت نہیں پس اس میں کلام کرنا پسند نہیں کیا گیا۔ اضاعتِ عمر ہے اور احتمالِ ضرر ہے۔

حکایت:۔ صحابہ کرام ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں کچھ گفتگو کر رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لے آئے اور سنا فرمایا کہ تم لوگ کیا گفتگو کر رہے ہو معلوم ہوا تو عتاب فرمایا کہ اس میں گفتگو کرتے ہو۔ کیا میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں اور فرمایا کہ جو اس میں گفتگو کرے گا اس سے باز پرس ہوگی۔ کیوں اس میں گفتگو کی۔ اور

---

[1] مطرب اور شراب کی یعنی ظاہری و باطنی عملوں کی باتیں کر و زمانہ کے راز کم کم تلاش کرو۔ کیونکہ کوئی بھی عقل سے اس معمّا کو نہیں کھول سکا ہے۔ نہ کھول سکتا ہے۔ [2] باریک اور گہرے علوم۔

Marfat.com

ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سوال ہو گا۔ ذرا ہم بھی سنیں تم نے اس بارہ میں کی تحقیق کیا ہے۔ اس سے وہ شخص دم بخود رہ جائے گا اور عجز کی وجہ سے کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس حدیث میں اس قسم کے علوم میں گفتگو کرنے سے ممانعت کی طرف اشارہ کر دیا۔

(۱۶۰) علمِ اسرار[1] وہبی ہے دلائل سے حل نہیں ہوتا کمال کے بعد قیل[2] و قال کی حاجت نہیں رہتی

کیونکہ یہ علم وہبی[3] ہے دلائل سے حل نہیں ہو سکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان امور کے اظہار کی حاجت تو ہے نہیں۔ جیسا اوپر بیان ہوا اور الفاظ وضع ہوئے ہیں حاجت کی چیزوں پر دلالت کرنے کے لیے سو ان مفہومات کے لیے الفاظ موضوع نہیں ہیں۔ تو اگر ان مضامین کو الفاظ سے تعبیر کیا جاوے گا تو وہ تشبیہات ہوں گی اور وہ بالکل ناکافی ہیں۔ تشبیہات کے ناکافی ہونے کی مثال کے لیے ایک قصہ عرض کرتا ہوں۔

حکایت:۔ مشہور ہے کہ ایک اندھے مادر زاد کی دعوت اس کے کسی شاگرد نے کی حافظ جی نے پوچھا کیا پکاؤ گے شاگرد نے کہا کہ کھیر پکاؤں گا کہنے لگے

---

[1] اللہ تعالیٰ کے راز ان کا علم حق تعالیٰ کا بلا واسطہ عطیہ ہوتا ہے کامل ہو جانے کے بعد لفظوں سے بتانے سیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ [3] عطاء الٰہی۔

Marfat.com

کھیر کیسی ہوتی ہے۔ شاگرد نے کہا کہ سفید کہنے لگے کہ سفید کس کو کہتے ہیں اس نے کہا جیسے بگلا۔ حافظ جی نے کہا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے۔ شاگرد نے ہاتھ سے اس کی ہیئت بتائی۔ حافظ جی نے اس کو ٹٹول کر دیکھا اور کہنے لگے کہ بھائی یہ کھیر تو بہت ٹیڑھی ہے۔ حلق میں کیسے اترے گی اب غور کیجئے کہ کھیر جو اتنی ٹیڑھی ہو گئی اس کا کیا سبب ہوا یہی کہ اس کو تشبیہات میں بیان کیا تو اس اندھے مادر زاد کو اگر ساری دنیا بھی سمجھا دینے کی کوشش کرتی تو اس کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا ہاں سمجھانے کی یہ صورت ہے کہ انگلی لے کر اس کے منہ میں دے دی جائے کہ ہونٹ چاٹتا رہے۔ اور لیجئے اگر کسی نابالغ بچہ کو لذت جماعت سمجھانا چاہیں تو عمر ختم ہو جائے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی البتہ جب وہ بالغ ہو جاوے گا تو خود بغیر سمجھائے سمجھ میں آجاوے گی۔ اسی طرح کملاؤں کے سامنے نااہل لوگ مثل اطفال نابالغ کے ہیں بڑے بڑے حکماء ارسطو افلاطون ان کے سامنے ایسے ہیں جیسے بچے تو الیسوں کے سامنے یہ مضامین بیان کرنا بچے کے سامنے لذت مجامعت بیان کرنا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خلق[3] اطفالند جز مرد خدا — نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

جو شخص نفسانی خواہشات سے چھوٹ گیا وہی بالغ ہے اور باقی اس کے مقابلہ میں سب نابالغ تو ان کے سامنے جو کچھ بیان کیا جاوے گا وہ تشبیہات

---

[1] کھیر لگی ہوئی [2] نکمی [3] سارے آدمی نابالغ بچے ہیں، سوائے اللہ والے کے اور کوئی بھی بالغ نہیں سوائے اس کے جو خواہشات سے چھوٹ چکا ہے۔

Marfat.com

سے بیان کیا جاوے گا۔ اور تشبیہات میں غلطیاں واقع ہوں گی۔ لہذا اسرار وجدانیہ کسی کے سامنے نہ بیان کرنے چاہئیں۔

(۱۴۱) محض عبارات تصوّف کو یاد کر کے تصوّف کا دعویٰ کرنے کی مذمت اور صدق کی ضرورت

آج کل افسوس ہے کہ لوگوں نے اسی جمع عبارات کا نام تصوّف رکھ لیا ہے اور اکثر اس قسم کے اسرار کہنے والے خود رسمی[1] لوگ ہوتے ہیں اسی کو کہتے ہیں۔ ؎

حرفِ[2] درویشاں بدزد و مرد و دل تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

کہ چند الفاظ سنے سنائے یاد کر لئے اور انہیں کو چند مجالس میں گاتے پھرے اور اگر کوئی آگے پوچھ بیٹھے تو خاک بھی نہیں۔ صاحبو محض ملفوظات کے یاد کر لینے کا نام تصوّف نہیں ہے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ملفوظات کے یاد کرنے

---

[1] نقل کرنے والے بناوٹی [2] کمینہ آدمی درویشوں کے لفظوں کو چرا لیتا ہے۔ تاکہ جاہلوں کے سامنے ان کا منتر پڑھ دے۔ یعنی درویشوں کے تو لفظوں میں بھی عشق کی آگ ہوتی ہے۔ وہ ان کو لوگوں کے سامنے کہہ دیتا ہے جن کا اثر ہوتا ہے جاہل لوگ خود اس کو صاحب اثر سمجھ کر معتقد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اور باریک باریک نکتے بھی ہیں جو جعلی بناوٹی پیروں اور شاعروں کا دستور ہے۔

Marfat.com

کی کوشش نہ کرو بلکہ اس کی سعی کرو کہ تم بھی ایسے ہو جاؤ کہ تمہاری زبان سے وہی باتیں نکلنے لگیں جو ان کے منہ سے نکلیں اور وہ حالت بنالو کہ ؎

بینی[1] اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

اور اگر یہ نہ ہو تو محض دعویٰ اور تصنّع سے کیا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گہہ[2] گہے آہے دروغے میزنی — از برائے مسکہ دوغے میزنی

خلق[3] را گیرم کہ بفریبی تمام — در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

کارہا[4] با خلق آری جملہ راست — با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

کار[5] با او راست باید داشتن — رایتِ اخلاص و صدق افراشتن

حکایت :- امام صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ چلے جا رہے تھے ایک شخص نے کہا یہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ یہ پانسو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں۔ آپ اس کو سنکر

---

[1] تم خود اپنے اندر حضرات انبیاء علیہم السّلام کے جیسے علوم پاؤ گے بغیر کسی کتاب و تکراری اور استاد کے یعنی ذکر کی کثرت پر دل میں غیب سے علوم وارد ہونے لگیں گے [2] کبھی کبھی تم تو جھوٹ سے آہ یا نعرہ لگا لیتے ہو۔ مکھن کیلئے چھاچھ کو (جس میں مکھن نہیں رہا ہے) بلوتے ہو۔ [3] میں فرض کرتا ہوں کہ تم ساری مخلوق کو دھوکہ دے لوگے ہر خاص و عام کو غلط فہمی میں ڈالی لوگے [4] تم سب کام جب مخلوق کے ساتھ ٹھیک لا سکتے ہو تو خدا کے ساتھ مکاری اور دھوکہ کب ٹھیک ہو سکتا ہے [5] اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کام ٹھیک ہی رکھنا چاہیئے۔ صدق و خلوص کا جھنڈا بلند رکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

رونے لگے اور اسی روز سے اتنا ہی عمل شروع کر دیا کیونکہ جانتے تھے کہ مخلوق تو دھوکہ میں آسکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا۔

(۱۶۲) طلب شہرت کا مذموم ہونا

آج یہ حالت ہے کہ لوگ اپنی نسبت تقویٰ وطہارت کے مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے تدابیر کی جاتی ہیں۔

حکایت:۔ ایک شخص کلکتہ میں گیا اور اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے چند گرگٹ اس غرض کے لیے چھوڑ دیئے کہ اس کو مشہور کریں۔ بہرحال علم میں خواہ حال و قال میں مکر کرنا سخت غلطی ہے۔

(۱۶۳) لایعنی امور سے بچنے کا محمود ہونا

غرض جو حال یا سر ہے بدوں حصول سمجھ میں نہیں آتا اور جو سمجھ میں نہ آوے اس کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔ نہ دوسرے کو بتلانا چاہیئے۔ تعلیم اسی چیز کی دینی چاہیئے کہ جس کی ضرورت ہے ورنہ محض مجلس گرم کرنے کے لیے بے ضرورت باتیں یا محتمل الضرر مسائل کو ہرگز بیان نہ کرنا چاہیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدر کے بارہ میں گفتگو کرنے کی ممانعت سے سبق لینا چاہیئے۔ دیکھو بچے کے

لہ بھڑیئے کے بچے یعنی لوٹ کھسوٹ کے ایجنٹ لہ بے ضرورت و بیفائدہ لہ دل کے حالات اور اللہ تعالیٰ کے راز لہ جن سے ضرر کا احتمال ہو۔

Marfat.com

سامنے کتنے ہی نفیس کھانے ہوں لیکن جب کافی مقدار پیٹ میں پہنچ جاتی ہے تو شفیق ماں کھانے سے روک دیتی ہے۔ بچّہ ضد کرتا ہے۔ لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ اس کی نظر مصلحت اور فائدہ پر ہوتی ہے اسی طرح ہم کو چاہیئے کہ جن امور کو ہمارے لیے غیر ضروری یا مضر قرار دیا ہے اُن کے درپے نہ ہوں اور اپنا یہ مذہب رکھیں۔

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

(۱۶۴) قبولیت دُعا میں تاخیر کسی مصلحت سے ہوتی ہے۔

اور اسی کی نظیر ہے کہ اگر دُعا قبول نہ ہو تو تنگدل نہ ہو کیونکہ کبھی کبھی دیر لگانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کا گریہ و زاری پسند ہوتا ہے بزرگوں نے اس کی مثال لکھّی ہے کہ جیسے کوئی حسین عورت کسی سے سوال کرے تو وہ ٹالتا ہے تاکہ اس کو مکرّر سوال کی نوبت آئے اور اس کے ذریعہ سے اس سے خطاب کا موقع مل جاوے اور دیکھئے آپ اپنے بچّے کے لئے کوئی چیز لاتے ہیں مگر اس کو دق کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بچّہ رونے لگتا ہے اور آپ کو اس کا رونا اچھّا معلوم ہوتا ہے۔ اب جن لوگوں کی دُعا قبول ہو جاتی ہے وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی وہ سخت

لہ تم کو تلچھٹ اور صاف کا حکم نہیں۔ بس دم لگا لو یعنی پی جاؤ کیونکہ ہمارے ساقی نے جو کچھ ہمارے پیالہ میں ڈال ہے بالکل کرم ہی کرم ہے۔

Marfat.com

نالاں رہتے ہیں۔ حالانکہ نہ قبولیت دعا مقبول ہونے کی علامت ہے۔ نہ عدم قبولیت مردود ہونے کی علامت ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کی اسی حالت کی شکایت فرماتے ہیں۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ ط وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ط آگے فرماتے ہیں كَلَّا یعنی جب خدا تعالیٰ انسان کو فراغت دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے میرا بڑا اکرام کیا اور جب رزق تنگ کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے مجھے ذلیل کیا اور خدا تعالیٰ مجھے چاہتے نہیں ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز نہیں یعنی یہ بات نہیں ہے کہ رزق کی فراغت دلیل اکرام ہو اور عسرت دلیل اہانت ہو تو اسی طرح اگر دعا بھی قبول نہ ہو وہ دلیل عدم قبولیت اور مردودیت کی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ جو مناسب سمجھتے ہیں وہ دیتے ہیں۔ کثیر کبھی اور تکوینیاً بھی۔ غرض جو علم نہ دیا اس کا نہ دینا ہی نعمت ہے۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدر میں گفتگو کرنے سے ممانعت فرمادی اسی حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو امور غامضہ ہیں انکی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی ان میں گفتگو نہ کرنی چاہیئے۔

(۱۶۵) حقیقت قرب الٰہی اور اس کو مقصود نہ سمجھنے کی شکایت

قرب کے معنی یہ نہیں کہ جو دریا اور قطرہ میں سمجھا جاتا ہے۔ اور

لہ ترجمہ آگے ہے لہ ہرگز نہیں لہ شریعت کے حکموں میں بھی جو انسان کے اختیار میں ہیں اور تکوینی یعنی وجود عالم کے ان احکام میں بھی جو انسانی اختیار سے باہر ہیں لہ باریک

Marfat.com

ایسے الفاظ کو لغوی[1] معنی پر محمول کرنا غلطی ہے بلکہ مراد اس قرب سے جو اس آیت میں مذکور ہے رضا ہے یعنی حق تعالیٰ کا راضی ہونا مراد ہے۔ کیونکہ قرب کے مختلف درجہ ہیں۔ ایک تو قرب علمی[2] ہے اور یہ خدا تعالےٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ اور ارشاد ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور ایک قرب رضاء کا ہے اور وہ بعض کو حاصل ہے۔ اور اس آیت میں قرب رضا مراد ہے قرب علم مراد نہیں کیونکہ وہ مومن وصالح کے ساتھ خاص نہیں اور یہ قرب رضاء بڑی دولت ہے مگر اس کو اہل دنیا تو کیا مقصود سمجھتے بہت سے اہل دین بھی پورے طور سے مقصود نہیں سمجھتے۔

(۱۶۶) طریق تحصیل قرب حق

پس اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس کا طریق بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ فَمَآ اَمْوَالُكُمْ الآیۃ یعنی مال اور اولاد جسکی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں

---

[1] کہ پاس ہونے کے معنے لے جس میں جسم اور مکان کی محتاجی لازم آتی ہے [2] کہ علم الٰہی ہر شئے کی ہر حالت سے تعلق رکھتا ہے [3] اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے [4] اور ہم اسکی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں [5] اور نہیں ہیں تمہارے مال اور اولادیں کہ تمکو ہم سے خوب قریب کردیں۔ سوائے اسکے جو ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کیواسطے دوگنا ثواب ہے ان عملوں کے سبب جو انہوں نے کئے ہیں اور وہ جنت کے بالاخانوں میں امن والے ہوں گے [6] آیت کے آخر تک۔

Marfat.com

یہ ذریعہ قرب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایمان اور عمل صالح اس کے ذرائع ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو کیونکہ ناقص پورا پسندیدہ نہ ہوگا اور وہ ذریعہ رضاء کا کیسے بن سکتا ہے۔

(۱۶۷) ایمان و عمل صالح کا درجہ کمال علم و عمل دائم و حال پر موقوف ہے

اور اس کا کامل ہونا موقوف ہے تین چیزوں پر علم و عمل دائم و حال اور دین کے یہی تین شعبے ہیں۔ سو اگر علم نہیں تو احکام کی اطلاع ہی نہ ہوگی اور اگر عمل نہیں تو اس اطلاع کا نفع کیا ہوگا اور اگر عمل ہے تو اگرچہ بظاہر عمل ہونا کافی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد یہ حالت بھی کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں خلوص اور بقاء کی امید نہیں اور حال سے مراد ملکہ ہے اس کی ایسی مثال سمجھو کہ اگر کسی سے محبت ہو جاوے اور اس کو کھلا دے پلا دے تو ایک تو یہ حالت ہے دوسرے یہ کہ اس کی محبت میں بے چینی ہونے لگے پہلی حالت عمل ہے اور دوسری حالت حال ہے اور پہلی حالت یعنی نرا عمل بدون حال کے پائیدار نہیں۔ اور حال ہو جانے کے بعد پائیدار ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز روزہ کرتا ہے لیکن صاحب حال نہ ہونے کی وجہ سے نفس پر جبر کر کے کھینچ تان کر کرتا ہے۔ اگر ایک وقت چھوٹ بھی جاوے تو کچھ زیادہ قلق نہیں ہوتا اور

---

[1] یعنی پورا پورا ہونا بغیر ہمیشگی کے عمل کے اور دل کی خاص کیفیت و حالت کے نہیں ہوتا۔
[2] صرف خدا تعالیٰ کے لیے بغیر ریا وغیرہ کے ہونے کی اور پائیداری و ہمیشگی کی [3] وہ کیفیت جو دل میں گڑ ہی ہوئی ہو جو ہمیشہ رہنے والی ہو۔

Marfat.com

ایک دوسرے کی یہ حالت ہے کہ اگر ایک وقت بھی نماز چھوٹ جاوے تو زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے تو یہ دوسرا صاحبِ حال ہے اسی کو کہتے ہیں ؎

بر دل[1] سالک ہزاراں غم بود　　گر ز باغ دل خلالے کم بود

اور اس کا پیدا کرنا گو واجب[2] نہیں کیونکہ اگر تکلف[3] سے بھی کرتا رہے لیکن اخلاص ہو کہ عبادت سے کوئی دوسری غرض نہ ہو تو خدا تعالےٰ کے یہاں مقبول ہے کچھ کمی اس میں نہیں لیکن ہے خطرناک حالت کیونکہ قلب میں تقاضا نہیں تو خدا جانے کہاں گاڑی اٹک جاوے اور کہاں پہنچ کر عمل کا خاتمہ ہو جاوے اس لئے ضروری ہے کہ حال کو بھی پیدا کرے اسی کو کہا ہے ؎

صنما رہ[4] قلندر سزد ار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

---

[1] اللہ کے رستہ والے سالک کے دل پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اگر دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے [2] اس ہمیشہ رہنے والی دلی کیفیت و حالت کا پیدا کرنا جو تصوف سے بھی ہوتی ہے گو واجب شرعی تو نہیں کہ نہ کرنے سے گناہ ہو مگر عمل کی پائیداری کیلئے اور عمل بند ہو جانیکے خطرہ سے بچنے کیلئے ضروری ہے اور سہولت سے اعمال ہونے کیلئے مفید ہے اسکو بدعت یا برا سمجھنے والے محروم رہ جاتے ہیں [3] مشقت سے بھی نیک عمل کرتا رہے۔ [4] اے میرے محبوب میرے لیے تو قلندری راستہ ہی ہو جائے اگر آپ جلوہ دکھا دیں کیونکہ میں تو ہمیشہ کے عمل کے راستہ کو دور کا اور لمبا راستہ دیکھ رہا ہوں یعنی جلوہ ہو تو محبت کا جوش ہو پھر یہ سب راستہ منٹوں میں طے ہو جائے جو دور دراز معلوم ہو رہا ہے۔

Marfat.com

درانہ دور کے معنی یہی ہیں کہ عمل ہو اور حال نہ ہو تو رستہ قطع تو ہو جائے گا لیکن بڑی دشواری اور مشکل سے قطع ہوگا۔ اور اسی معنی میں مولانا نے فرمایا ہے ؎

قال را بگذار و مرد حال شو

آگے اس کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ۔ پیش مرد کامل پامال شو، یعنی یہ حالت لکھنے پڑھنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ملکہ ہے اور ملکہ صحبت سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ارژنگ چین سے کر خط کی مشق کرے تو کبھی وہ ملکہ پیدا نہ ہوگا۔ مثلاً جو کہ منشی شمس الدین کی خدمت اور صحبت سے پیدا ہوگا۔ اسی طرح حال باطنی کی بھی کیفیت ہے تو علم اور عمل اور حال ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہوتی۔ اگر ان میں ایک بھی نہیں تو کچھ بھی نہیں اور یہی دین ہے اسی حال کی تعلیم اس آیت میں بھی ہے۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ مطلب یہ ہے کہ اس طرف جماد توجہ کرو ایسا نہ ہو کہ ایک زمانہ گذر جانے سے قلب میں قساوت پیدا ہو جاوے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ حال کی تاکید بھی کسی

لہ باتیں بنانا چھوڑ دو دل کی حالت و کیفیت کے مرد بن جاؤ ۲ کسی مرد کامل یعنی حقیقی پیر کے سامنے پامال و فنا ہو جاؤ ۳ دل میں جم جانیوالی کیفیت ہے عارضی نہیں ۴ خوش خطی سیکھنے کی ایک کتاب کا نام ہے ۵ ایک خوشنویس کا نام جو بہت مشہور ماہر گذرے ہیں ۶ کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کیواسطے اس بات کا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے عاجزی والے ہو جائیں ۷ دل کی سختی ہے۔

Marfat.com

درجہ میں قرآن سے ثابت ہے۔ غرض ارادہ اور قصد تو ضروری ہے اور حال مصلحت ہے کہ اس سے تسہیل ہو جاتی ہے۔

(۱۶۸) کمال اطاعت کی خاصیّت

اور یہی وہ شان ہے جس کو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن جبکہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے تو آپ نے یہ جواب دیا کہ قرآن آپ کا امر طبعی بن گیا تھا آپ کا جی اسی چیز کو چاہتا تھا جس کو خدا چاہے جس شخص کی یہ حالت ہو گی وہ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی راجع[1] نہ ہو گا نہ واقف[2] ہو گا۔ بلکہ برابر ترقی کرتا چلا جائے گا۔ کیونکہ اوّل تو قلب میں ایک چیز محرک ہے دوسرے اس حالت کی برکت سے یہ محب ہونے کے ساتھ محبوب بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس کی یہ حالت ہوتی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت علیؓ کے لیے اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ کہ یہ جس طرف جائیں تو حق بھی اسی طرف جائے اور ظاہر تو یہ تھا کہ آپ یہ دعا دیتے کہ اَدِرْہُ[3] مَعَ الْحَقِّ لیکن آپ نے بجائے اس کے

---

[1] آپؐ کی عادت مبارکہ قرآن ہی تھی۔ یعنی ہر قرآنی حکم عادت بن گیا تھا [2] پھر جانے والا پہلی حالت پر لوٹ جانے والا [3] رُک جانے والا کہ آگے ترقی نہ کرے۔

[4] اے اللہ حق کو اس کے ساتھ گھومتا ہوا کر دے جہاں جہاں یہ گھومے۔

[5] اس کو حق کے ساتھ گھومتا ہوا کر دے۔

Marfat.com

یہ فرمایا اَدِلَّۃُ الْحَقَّ مَعَہٗ اور یہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی بات فرمائی اور بہت بڑی دُعا دی اور یہ بتلا دیا کہ ان کی محبوبیت ایسی ہو جاتی ہے کہ اگر ان سے معاملات لین دین میں غلطی بھی ہو تو اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہیں کہ وہ حق واقعی ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر دو شخصوں میں لڑائی ہو جائے اور ایک ایسے ہی محبوب حق اپنے اجتہاد سے ان میں سے کسی ایک طرف ہو جاویں جو کہ واقع میں حق پر نہ ہو تو خدا تعالیٰ حق کو اس کے ساتھ اس طرح کر دیتے ہیں کہ وہ شخص تائب ہو کر حق پر ہو جائے اور ان کو اس کی طرف رلائے سے پھرنا نہ پڑے یا اگر انہیں کو خود کسی مقابلہ میں غلطی ہو جائے تو خدا تعالیٰ حق کو اُن کے ساتھ اس طرح کر دیتے ہیں کہ ان کا مقابل جو ابھی تک مظلوم تھا انتقام لینے میں حد جائز سے آگے نکل جاوے پس انتقام کی وجہ سے ان کا ظلم عفو ہو جائے گا اور مقابل کی اعتداء[1] کی وجہ سے اب یہ مظلوم ہو جاویں گے اور حق اُنکے ساتھ ہو جاوے گا۔ الحمد للہ یہ بالکل نئی بات ہے اور اس تفصیل سے آج ہی ذہن میں آئی ہے اور اس کی ایک نظیر حدیث میں صاف آئی ہے فرماتے ہیں[2] رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَا یُؤْبَہٗ لَہٗ مَدْفُوْعٌ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ یعنی بہت سے ایسے پراگندہ مو غبار آلودہ خستہ حال لوگ ہیں کہ کوئی ان کی پروا بھی نہیں کرتا مگر حالت اُن کی یہ ہے کہ اگر کسی امر کے متعلق قسم کھا بیٹھیں کہ یوں ہوگا تو خدا تعالیٰ اسی طرح کر دیتے ہیں تو یہ مضمون

---

[1] حق کو اس کے ساتھ گھومتا ہوا کر دے۔ [2] زیادتی۔ [3] بخاری ج۔ ۱

Marfat.com

بھی اسی کے قریب ہے کہ واقعہ ان کی قسم کے موافق بدل جاتا ہے۔

حکایت :۔ میں نے ایک سیاح سے سنا ہے کہ کسی مقام پہ ایک ایسی چیز دیکھی کہ اس کا ایک حصّہ پتھر ہے اور ایک لکڑی ہے ایک کنکر ایک غیر معلوم الجنس اور لوگوں نے اس کا یہ قصہ بیان کیا کہ اندھیرے میں کسی بنہ رگ کی ٹھوکر لگی تھی۔ انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے پتھر ہے یا لکڑی ہے یا کنکر یا کچھ اور تو اس میں ان سب چیزوں کا تھوڑا تھوڑا جزء پیدا ہو گیا۔ یعنی کچھ حصّہ لکڑی ہو گیا کچھ پتھر اور کچھ کنکر کچھ غیر معلوم الجنس۔

(۱۶۹) بزرگوں کے حسب خواہش کام ہو جانے سے حق تعالیٰ کا اُن کے کہنے میں ہونا لازم نہیں آتا

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ میاں اُن کے کہنے میں ہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ حضرات خود حق تعالیٰ کے کہنے میں ہیں اور یہ اسی کی برکت ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ کبھی کبھی اُن کے کہنے کے خلاف بھی کر دیتے ہیں اور کسی کا تو کیا منہ ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین دعائیں کیں ان میں سے دو قبول ہوئیں اور ایک نامنظور ہوئی سو اس سے سمجھ لیجئے کہ جب حضورؐ کی دو دعائیں منظور اور ایک نامنظور ہوئی تو اور کون ہوگا جس کا کہنا ہو جاوے اور یہ اس مضمون کو کہتا بھی نہ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا تو مجھے چھپانے کی کیا ضرورت ہے غرض آپؐ فرماتے اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ

لہ یہ حدیث و ترجمہ پچھلے مضمون نمبر ۱۶۸ میں گذر رہا ہے۔

Marfat.com

اور یہ کبھی کبھی ہوتا ہے اور غالب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ ان کے ذہن میں ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ خلاف حق چلتے ہی نہیں غرض ان کو مرتبہ محبوبیت کا عطا ہوتا ہے وہ خلاف نہیں کرتے یہ وجہ ہوتی ہے صاحب حال کی ترقی و استقامت کی

(۱۷۰) خلاصہ طریق قرب

پس علم و عمل و حال کا جمع کرنا یہ طریقہ ہے قرب و رضا کا جو کہ بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دولت کا مقصود راحت قلب ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا راحت ہوگی کہ اس کا محبوب حقیقی اس سے راضی ہو اور قرب ہو یہ راحت کسی کو بھی نصیب نہیں بلکہ اس دولت میں تو اگر کچھ محنت بھی ہوتی تو اس پر بھی راضی ہوتے۔

(۱۷۱) اہل اللہ کو کلفت و مصیبت میں بھی بوجہ قرب و رضائے حق کے راحت ہوتی ہے

چنانچہ کبھی ایسی حالت ابتلاء[۲] اگر پیش آتی ہے تو قانع ہوتا ہے اس

---

[۱] علم۔ اور عقل سے اونچی بات نہیں پولیس والوں کو ڈاکو کی پہچان شاعروں کو کلام کی عمدگی اور برائی کی ماجروں کو گاہکوں کی پہچان اس کی ایک چھوٹی سی نظیر ہے۔ [۲] امتحان کے لیے۔

Marfat.com

وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

دما دم[1] شراب الم درکشند اگر تلخ بینند دم درکشند

لوگ جس کو کلفت سمجھتے ہیں۔ وہ اس کو راحت سمجھتا ہے۔ مجنوں کو اس کے اقارب خانہ کعبہ میں لے گئے اور کہا کہ کہہ اللّٰھم[2] ارحمنی من لیلیٰ وحبھا تو وہ کہتا ہے۔ اللّٰھم[3] زدنی حبا لیلیٰ اور یہ شعر پڑھا ؎

الٰھی[4] انت من کل المعاصی الیک فقد تکاثرت الذنوب

فاما[5] من ھوی لیلیٰ وترکی زیارتھا فانی لا اتوب

غور کرو کہ عورت کی محبت میں یہ حالت تھی اب مولانا کا قول سنو فرماتے ہیں۔

عشق[6] مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یعنی خدا تعالیٰ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہے ہرگز نہیں تو اب

---

[1] رنج کی شراب پے در پے پیتے رہتے ہیں اگر کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو سانس کھینچ لیتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔ [2] اے اللہ مجھ پر لیلیٰ اور اس کی محبت سے رحم فرما کہ وہ جاتی رہے [3] اے اللہ مجھ کو لیلیٰ کی محبت زیادہ کر دے [4] اے میرے معبود میں نے سب گناہوں سے آپ کی بارگاہ میں توبہ کر لی کیونکہ گناہ تو بہت ہی ہو گئے ہیں۔ [5] لیکن لیلیٰ کی محبت اور اس کے دیدار کا ترک کرنا تو میں اس سے توبہ نہیں کر سکتا۔ [6] اللہ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہو سکتا ہے اس کے عشق میں گیند کی طرح لڑھکتا ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔

Marfat.com

غور کیجئے کہ وہ کیسی لذت کی ہوگی پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا قرب بڑی دولت ہے

(۱۷۲) جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھے ہیں وہ حقیقت میں مصیبت میں ہیں وہ

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھے ہیں وہ بڑی مصیبت میں ہیں گو ان کے پاس اموال و اولاد بھی ہو اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الدُّنْیَا وَ تَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ حقیقت میں اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو معلوم ہو گا کہ جنہوں نے دُنیا کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے وہ کس قدر مصیبت میں ہیں۔ عیش کے ذرائع سوچتے اور جمع کرتے ساری عمر گذر گئی اور کھانے پینے کو وہی چار چپاتیاں اور تین کپڑے ہی ملے جو کہ سب کو ہی ملتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اس قدر انہماک کے بعد بھی ذرائع عیش نصیب نہ ہوئے اور غضب یہ کہ آج تک بھی اس کا احساس نہیں ہوا اب تک بھی وہی ترقی کی تعلیم دی جاتی ہے اور اگر پورا عیش حاصل بھی ہو گیا تو یہ کیا عیش ہے کہ خوب کھا لیا اگر یہی عیش ہے تو بیل کو سب سے زیادہ عیش میسّر ہے کہ اس کو نہ گذشتہ کل کی یاد نہ آئندہ کل کی فکر اس کی برابر سلطان بھی عیش میں نہیں غرض محض

لہ اللہ تعالیٰ یہی ارادہ کرتے ہیں کہ ان کافر لوگوں کو مال اور اولاد کے ذریعہ دُنیا میں بھی عذاب دے دیں اور کافر رہنے میں ان کی روحیں مشکل سے نکلیں۔ ۱۲ آخرت سے غافل رہ کر دُنیا میں کھپ جانے کی۔

Marfat.com

بیفکری سے کھا لینا کوئی عیش نہیں

(۱۷۳) عیش حقیقی کی حقیقت

عیش یہ ہے کہ نہ ماضی کی فکر ہے نہ مستقبل کا اندیشہ بس وہ ابن الوقت الحال ہے کہ جو اس پر گذرتا ہے سب کو خوشی سے برداشت کرتا ہے اور اس کو نعمت سمجھتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ صوفی ابن الحال باشد اے رفیق یعنی جو حالت اس پر طاری ہو وہ اسی میں راضی ہے اور یہ کہتا ہے ؎

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

اگر عیش بھی ہو تو عیش ہے اور اس پر کچھ تعجب نہ کیجئے دیکھئے اگر ایک مدت کے بعد محبوب سے ملاقات ہو کہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے۔ نہ بات کی ہمت ہو نہ سلام کی جرأت اور اسی حال میں محبوب اس پر رحم کرے اور اس کو سینہ سے لگا لے اور خوب دباوے کہ اس کا دم نکلنے لگے اور اسی حالت میں اس کا کوئی رقیب آجاوے اس کو دیکھ کر محبوب دریافت کرے کہ اگر تم کو تکلیف ہو رہی ہو تو تم کو چھوڑ کر اس کو دبانے لگوں تو اسوقت کیا کہے گا کیا یہ تکلیف اس کو محسوس ہوگی اور کیا اس کی وجہ سے وہ محبوب کے

لہ دل کی کیفیت و حالت والا ۲ صوفی تو اے میرے ساتھی حال والا ہی ہوتا ہے۔
۳ دوست سے جو کچھ ملتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے ۴ غصہ اور تکلیف دینا بھی ہو تو محبت میں وہ بھی لطف و کیف ہی ہے۔

Marfat.com

علیحدہ ہونے پر راضی ہوگا کبھی نہیں بلکہ وہ یہ کہے گا۔ ؎

نہ[1] نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہے گا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو جب آدمی کی محبت میں یہ حالت ہے تو حق تعالےٰ کی محبت میں کیا عالم ہوگا بقول شیخ سعدیؒ

عجب[2] داری از سالکان طریق — کہ باشند در بحر معنے غریق

اور اُن کی یہ حالت ہوتی ہے۔ ؎

ناخوش[3] تو خوش بود بر جان من — دل فدائے یار دل رنجان من

اور وہ یوں کہتے ہیں۔ ؎

پس[4] زبون وسوسہ باشی دلا — گر طلب را باز دانی از بلا

---

[1] دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو ہم دوستوں کا سر سلامت رہے تاکہ انہی پر تو اپنا خنجر آزمائے [2] تم طریقت کے سالکوں یعنی اللہ کے راستہ میں لگے ہوون سے تعجب کرتے ہو کہ وہ معنے و مقصود کے سمندر میں غرق ہیں [3] آپ کی طرف کی ناگوار شے بھی میرے واسطے خوشی کا سبب ہے۔ کیونکہ دل ہی دل دکھانے والے دوست پر فدا ہے۔

[4] اے دل پھر تو تو وسوسوں کا بیوقوف بنایا ہوا ہو جائے گا اگر تو محبوب کی طلب کو مصیبت سے الگ جانتا ہے۔

Marfat.com

یعنی اگر طلب میں اور بلا میں فرق کیا تو تم طالب خدا نہیں بلکہ تم طالب مخلوق ہو ایک[1] مخلوق کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کو لیا ہے جس نے اس کی حقیقت سمجھ لی اس کی برابر کوئی دولت مند نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑی دولت ہے

(۱۷) مذکورہ عیش والوں کا ترحم[2] بے عیشوں پر

جو اس سے محروم ہو وہ محروم بھی ہے۔ مرحوم[3] بھی ہے محروم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور مرحوم اس لیے کہ اہل اللہ کو اس پر رحم آتا ہے۔ ہاں اگر باغی ہو تو اس پر ان کو رحم نہیں آتا لیکن اگر باغی[4] نہ ہو بلکہ گنہگار ہو تو ان حضرات کو اس پر بہت رحم آتا ہے اور وہ اس کو ذلیل نہیں سمجھتے کیونکہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے۔

گنہ[5] آمرز رندان قدح خوار　　بطاعت گیر پیران ریاکار

کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

غافل[6] مرو کہ مرکب مردان مرد را　　در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

نومید[7] ہم مباش کہ رندان بادہ نوش　　ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

---

[1] مصیبت کو چھوڑ کر راحت کو لیا [2] رحمدلی [3] قابلِ رحم [4] کافر [5] پیالے پی جانے والے رندوں کے گناہوں کو بخشنے والے اور ریا والے پیروں کی عبادت پر گرفت کرنے والے ہیں [6] غفلت میں نہ چلو کیونکہ بڑے بڑے مردوں کی سواری کی بھی اس جنگل کے پتھریلے میدانوں میں کوچیں کاٹ ڈالی ہیں [7] اور ناامید بھی نہ ہو جاؤ کیونکہ شراب عشق پینے والے رند لوگ اچانک ایک نعرے سے بھی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔

Marfat.com

دوسرے کہتے ہیں ؎

گناہ آئینۂ عفو و رحمت ست اے شیخ　　مبیں بچشم حقارت گنہگاراں را

یعنی حقیر نہ سمجھو البتہ قابلِ رحم سمجھو اور وہ برتاؤ کرو جیسے کہ تمہارا بیٹا بیمار ہو جاوے اور اس کے ساتھ تم برتاؤ کرتے ہو۔ دیکھو اگر وہ تم پر ہگ بھی دے تو تم کو غصہ نہیں آتا بلکہ رحم آتا ہے تو مسلمان وہ ہے کہ مسلمان کی حالت پر آنسو بہائے نہ یہ کہ ان کو ذلیل و حقیر سمجھے اور برا بھلا کہے ؎

تا یار کرا خواہد و میلش بہ کرا باشد

اور اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو خدا کے سپرد کر دو اور دعا کرو یہ ہے اسلامی شان آجکل ذرا سی بات میں وہابیت اور بدعت کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ صاحبو کس کی بدعت کس کی وہابیت حضورؐ کے احکام میں بعض مختلف فیہ بھی ہیں کوئی کسی طرف گیا کوئی کسی طرف تو اس کے لیے لڑتے کیوں ہو اور اگر کوئی مسئلہ متعین الصواب ہے اور اس میں کسی کو لغزش ہے تو اس کے لیے دعا خیر کرو خوب کہا ہے ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے　　بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

لہ اے صوفی صاحب گناہ تو معافی و رحمت آلہٰی کا ایک آئینہ ہے (کہ عفو و رحمت اسی میں نظر آتی ہے) تو تحقیر کی نظر سے گناہگاروں کو نہ دیکھا کرو ۲ اس وقت کہ محبوب کس کو چاہتا ہے اور کس کی طرف اس کی رغبت ہوتی ہے ۳ جس میں حق ہونا ایک ہی صورت میں معین ہو ۴ اگر یہ معرفت آلہٰی کا دعویدار خدا کو پہچان لیتا تو اپنے دشمن سے بھی لڑنے میں مشغول نہ ہوتا۔

Marfat.com

دیکھو اگر مجلس میں محبوب بھی ہو اور اس نے اجازت دے دی ہو کہ میری طرف دیکھو اور یہ اس کی طرف دیکھنے میں مشغول ہو کہ اتنے میں ایک شخص آکر اس کی انگلی کو چھو دے اب بتاؤ کہ وہ کیا کرے گا کیا محبوب کی طرف سے نظر ہٹا کر اس شخص کو دیکھنے لگے گا یا اس سے الجھنا شروع کر دے گا. اگر ایسا کیا تو محبوب سے محروم[1] ہو گا اور یہ توجہ اور استغراق[2] اسی وقت ہو گا۔ کہ دوست کو پہچانے اسی کو کہتے ہیں۔ ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

کہ اگر اُدھر متوجہ ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی۔

حکایت :۔ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سے کوئی مناظرہ کرے تو تم کبھی مناظرہ[3] نہ کرو اس سے دل سیاہ ہوتا ہے عوام[4] میں سے جس کو بیعت کرتا ہوں اس سے یہ بھی کہتا ہوں کہ بدعت کو چھوڑ دو لیکن بدعتی لوگوں سے مت لڑو۔ خدا تعالیٰ تم سے یہ نہ پوچھے گا کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا اور قرآن شریف سے بھی اس مشرب[5] کی تائید ہوتی ہے فرماتے ہیں۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الخ[6]

---

[1] محرومی [2] غرق ہو جانا یعنی محبوب میں لگ کر بیخود ہو جانا [3] بغیر سخت ضرورت کے۔
[4] گو اہلِ علم کو وقت ضرورت تردید کی اجازت ہے [5] طریقہ [6] اور ہو تم میں سے ایک جماعت جو نیکی کی طرف دعوت دے اچھے کاموں کا حکم کیا کرے برے کاموں سے روکا کرے الیٰ آخرہ یعنی آخر آیت تک۔

Marfat.com

لفظ منکم[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ سب اس کام کے لائق نہیں ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ اس کے اہل نہیں سمجھے جاتے ان کا کہنا لوگوں کو ناگوار گذرتا ہے۔ غرض یہ طعن و تشنیع کا شیوہ مناسب نہیں اپنے کام میں لگے رہو اگر کوئی برا بھی کہے تو اس پر رحم کرو اور اس کے لیے دعا کرو۔ چنانچہ اہل اللہ دنیا داروں پر رحم ہی کرتے ہیں کہ یہ بیچارے حمال[2] ہیں لدے ہوئے ہیں ہانپے جا رہے ہیں۔

حضرت شبلیؒ کی یہ حالت تھی کہ جب کسی کو دیکھتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ[3] الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا یہ دعا حدیث میں ہے حضورؐ نے تعلیم فرمایا ہے کہ جب کسی بیمار کو دیکھو تو یہ دعا پڑھو تو دنیا کی محبت سے زیادہ کونسی بیماری ہوگی کہ قلب کی بیماری ہے اور قلب کی بیماری سب سے بدتر ہے جیسا ارشاد ہے کہ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا حضرت شبلیؒ اس کو سمجھے اور انہوں نے مرض کی حقیقت معلوم کی غرض دنیا دار بیمار ہیں اور اس بیماری سے بچا رہنا خدا کی نعمت ہے جو قابل شکر ہے۔

حکایت ۵۔ اکبر پور کا واقعہ ہے کہ ایک خانصاحب نے ایک جلاہے سے

---

[1] تم میں سے ایک جماعت [2] بوجھ اٹھانے والے [3] سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مجھ کو اس بیماری سے صحت و عافیت بخشی جس میں تم کو مبتلا کر رکھا ہے اور اپنی مخلوق میں سے بہت پر مجھ کو بہت کچھ فضیلت دی ہے [4] ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو اور زیادہ کر دیا ہے۔

Marfat.com

براہ تمسخر پوچھا کہ میاں جی کیا کر رہے ہیں۔ کہنے لگا خدا کا شکر کر رہا ہوں کہ مجھ کو خانصاحب نہ بنایا کسی غریب پر ظلم کرتا اور دوزخ میں جاتا خانصاحب چپ ہی تو رہ گئے۔ حقیقت میں خدا کی یہ بھی بڑی رحمت ہے کہ گناہ کا سامان ہی نہ دے ؎

آنکس[1] کہ تو نگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند

اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ واقعی رحم کے قابل ہیں کہ ایک بڑی مصیبت میں پھنسے ہیں۔

(۱۷۵) عیش دُنیا کو عیش سمجھنا بے حسی ہے

مگر ان کو خبر بھی نہیں ان کی وہ حالت ہے جیسے

حکایت :- ایک سرحدی وحشی[2] ہندوستان میں آیا تھا کسی حلوائی کی دوکان پر حلوا رکھا دیکھا قیمت پاس نہ تھی آپ اس میں سے بہت سا اُٹھا کر کھا گئے حلوائی نے حاکمِ شہر کو اطلاع دی حاکم نے یہ سزا مقرر کی کہ ان کا منہ کالا کر کے جوتیوں کا ہار گلے میں ڈال دیا جائے اور گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر[3] کی جاوے اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جائیں کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب یہ حلوا خور صاحب

---

[1] جو مالک تم کو مالدار نہیں بنا دیتا ہے وہ تمہاری مصلحت کو تم سے زیادہ جانتا ہے

[2] جاہل و ناواقف کم عقل [3] مشہور کرنا یعنی گھمایا جائے۔

Marfat.com

اپنے گھر گئے تو وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ آغا[1] ہندوستان چگونہ ملک ست کہنے لگا ہندوستان[2] خوب ملک است حلوا خوردن مفت ست فوج طفلاں مفت ست سواری خر مفت ست ڈم ڈم مفت ست ہندوستان خوب ملک ست بس دُنیا کے حشم و خدم پر ناز کرنا ایسا ہے جیسا اس نے سواری خر اور فوج طفلاں پر ناز کیا تھا۔ صاحبو یہ بے حسی ہے واللہ اگر حس صحیح ہو تو یہ سب عذاب نظر آنے لگے حکومت دینوی کی نسبت حدیث میں ہے کہ جس کی دس آدمیوں پہ بھی حکومت ہوگی قیامت میں اس کو ہتھکیں کس کر لایا جاوے گا اگرچہ اس کے بعد چھوٹ ہی جاوے آج اس کی درخواست کی جاتی ہے اس کے لئے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم میں اگر صاحب حکومت نہ ہوں گے تو قوم تباہ ہو جاوے گی ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم میں عالم ہوں لیکن کون شخص ہو اس کا فیصلہ خود حدیث میں موجود ہے حضور فرماتے ہیں اَلْقُضَاۃُ ثَلٰثَۃٌ اِثْنَانِ فِی النَّارِ وَوَاحِدٌ فِی الْجَنَّۃِ اور اس واحد کو عالم باعمل بتلایا ہے تو حکومت ضروری ہے لیکن حکومت کے لیے عالم باعمل ہونا چاہیئے۔

---

[1] جناب ہندوستان کیسا ملک ہے [2] ہندوستان بہت اچھا ملک ہے حلوا کھانا مفت ہے بچوں کی فوج مفت ہے۔ گدھے کی سواری مفت ہے۔ ڈم ڈم یعنی ڈھول مفت ہے۔ ہندوستان بہت اچھا ملک ہے۔ [3] حاکم لوگ تین گروہ ہیں دو گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔

Marfat.com

درسہ بدون علم کے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور امتحان علم کا یہ ہے کہ ان کے سامنے جتنے واقعات و مقدمات پیش ہوں ان میں اپنی رائے لکھیں اور اس کے بعد اہلِ علم سے ان کا حکم دریافت کریں پھر دونوں میں موازنہ کریں واللہ زمین و آسمان کا فرق نکلے گا دوسری اس میں ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست نہ کرے کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خود غرض ہوگا اور نفسیات سے کام کرے گا اس کو لوگوں کی مصلحت پر ہرگز نظر نہ ہوگی۔ بلکہ اپنی مصلحت پر نظر ہوگی اور اس سے جتنی خرابیاں پیدا ہوں وہ کم ہیں۔

حکایت :۔ حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے قضاء کا عہدہ قبول کرنے کے لیے کہا انہوں نے انکار کر دیا حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر مت کرنا کیونکہ ایسا نہ ہو کہ سب ہی انکار کر دیں اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ سلف صالحین حکومت کو کیسا سمجھتے تھے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص کام کر سکے گا۔ آپ کی سمجھ میں آگیا کہ دُنیا کے لوگ حقیقت میں بڑی تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہیں اور دولت حقیقی دوسری چیز ہے۔

(۱۷۶) اس عیش حقیقی کی تحصیل کا طریق کہ ایمان و اعمال و معاملات و اخلاق کی درستی ہے۔

خدا تعالیٰ اس آیت میں اس دولت کو بتلاتے ہیں اور اس کا طریقہ

Marfat.com

ارشاد فرماتے ہیں اور مروج طریقہ کو روکتے ہیں اور فرماتے ہیں تمہارے مال اور اولاد اس قابل نہیں کہ تم کو ہم سے قریب کریں۔ البتہ ایمان اور عمل صالح اس کا ذریعہ ہے جیسا بیان ہوا اور اس میں آجکل کے اہل مذاق جدید کا بھی جواب ہو گیا یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ترقی دنیا سے ہمارا مقصود ترقی دین ہے تو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ترقی دین کی یہ صورت نہیں کہ بہت سامان سمیٹ لو۔ ہم اس آیت کا ترجمہ کئے دیتے ہیں اگر تین پانچ کرنا ہے تو خدا تعالیٰ سے کرو اور پوچھو کہ یہ کیوں فرمایا آجکل یہ بھی ایک عجیب عادت ہو گئی ہے کہ لوگ ہر بات کا ذمہ دار مولویوں کو بناتے ہیں۔ صاحبو مولوی تو صرف منادی کرنے والے ہیں۔ وجہ منادی کرنے والے سے نہیں پوچھی جاتی۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ اس امر کا ذمہ دار نہیں پھر کیا وجہ کہ مولویوں کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اگر وہ کچھ بتلا دیں تو ان کا احسان ہے باقی ان کے ذمہ کچھ نہیں غرض مال اور اولاد ذریعۂ قرب نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ ذریعہ قرب ہیں۔ سو بعضے لوگ تو ہم میں سے ایسے ہیں کہ وہ ایمان ہی کو بگاڑ بیٹھے ہیں۔ اگرچہ ان کے اعمال کسی درجہ میں اچھے ہیں لیکن عقیدے بالکل ہی تباہ ہیں بہت سے لوگ پیروں سے اس قدر عقیدت رکھتے ہیں کہ خدا سے بھی اتنا علاقہ نہیں رکھتے وہ ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسا ایک سر چڑھا سرشتہ دار ہو کہ جو کچھ کہدے گا اسی پر دستخط ہو جاویں گے اور ان کے اور ان کے نام پر کہیں ہنسلی چڑھاتے ہیں۔ کہیں منتیں مانتے ہیں۔ بعض نے تعزیوں کو اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سارا دین و ایمان وہی ہے ایک شخص کہنے لگے کہ جب سے میں نے گیارہویں

Marfat.com

شریف چھوڑ دی ہے۔ اس وقت سے مجھ پہ آفتیں اترنے لگیں۔ استغفر اللہ
میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ بزرگوں کو ایصالِ ثواب نہ کرو مطلب یہ ہے کہ
اپنا عقیدہ مت خراب کرو بلکہ اس نیت سے ایصالِ ثواب کرو کہ انہوں نے
ہمارے ساتھ دینی احسان کیا تھا ہم ان کو ثواب پہنچائیں۔ باقی یہ بات کہ ان
سے ہمیں مال یا اولاد ملے گی یہ کچھ نہ ہونا چاہیئے اور غور کر کے دیکھو کہ ایسی
نیت سے ایصالِ ثواب کرنا کیسی بے ادبی ہے۔ دیکھو اگر تمہارے پاس
کوئی شخص مٹھائی لے کر آوے اور پیش کرنے کے بعد کہے کہ جناب سے
مجھے فلاں کام ہے تو تمہارے دل پہ کیا اثر ہوگا ظاہر ہے کہ جو کچھ خوشی اس
مٹھائی لانے سے تم کو ہوئی ہوگی وہ سب خاک میں مل جائے گی اور سمجھو گے
کہ یہ سب خوشامد اسی غرض کے لیے تھی دوسرے جب وہ حضرات اپنی
زندگی میں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے تو اب مرنے کے بعد
کیوں ان کو دلچسپی ہوگی تو ایمان کی درستی جب ہوگی کہ اس قسم کی ساری
باتوں سے توبہ کرو۔

دوسری چیز عمل صالح ہے اس کے متعلق یہ حال ہے کہ بہت سے
لوگ اس کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ عقائد کی درستی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ جب
عمل نہیں تو یہ درستی کیا کرے گی۔ اور جو لوگ عمل کو ضروری
بھی سمجھتے ہیں۔ تو صرف دیانات۔ نماز۔ روزہ وغیرہ کو باقی معاملات
بالکل ہی خراب ہیں۔ میں نے بہت سے متقی ایسے دیکھے ہیں کہ ان کے معاملات

لہ بلکہ ایک رشوت کی صورت میں آتی ہے۔

Marfat.com

نہایت ہی گند در گند ہیں۔ خدا جانے کیسا تقوی ہے کہ وہ کبھی ٹوٹتا ہی نہیں گویا بی بی تمیزہ کا وضو ہے۔ کہ بس ایک دفعہ کر کے عمر بھر کی چھٹی ہو گئی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے معاملات بھی اچھے ہیں۔ لیکن اخلاق نہایت خراب ہیں نہ خدا کی محبت نہ خوف نہ توکل نہ صبر نہ شکر نہ توحید بلکہ ان کے بجائے تکبر۔ ریا۔ عجب۔ حسد۔ کینہ وغیرہ سے پُر ہیں۔ یہ حال ہے کہ ؎

از بروں[1] چوں گور کافر پُر حُلَل — وندرون قہر خدائے عزوجل!

از بروں[2] طعنہ زنی بر بایزید — وز درونت ننگ می دارد یزید

تو عمل صالح میں یہ اخلاق باطنی بھی آ گئے

(۱۷۷) اخلاق کی درستی ہی تصوف ہے

یہی ہے وہ چیز جس کو تصوف کہتے ہیں اسی کی نسبت فرماتے ہیں اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ[3] اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ تصوف نہیں بلکہ غیر معمولی چیز ہے تو سمجھو کہ اہل فن کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تصوف ہے حواشی قشریہ

---

[1] باہر سے تو کافر کی قبر کی طرح جو حلّوں سے بھری ہے اور اندر خدا تعالیٰ کا عذاب۔

[2] باہر سے تو تم حضرت بایزید بسطامیؒ پر طعنہ کرتے ہو اور تمہاری اندرونی حالت سے یزید بھی شرم رکھتا ہے [3] سن لو کہ اللہ کے ولیوں پر نہ خوف ہوتا ہے نہ وہ فکر کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور متقی ہو گئے۔

Marfat.com

ہیں ہے۔ التصوف تعمیر الظاھر والباطن اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں۔ ایک عقیدہ دوسرے اخلاق ان سب کی اصلاح بھی قرآن میں ہے۔ مگر صوفیہ نے ان کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن نے ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کیا ہے تو تصوف کی حقیقت یہ ہے اور ثمرہ اُس کا یہ ہے کہ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی۔ الحمد للہ اس وقت دو غلطیاں رفع ہوئیں ایک تو یہ کہ تصوف کی حقیقت کو غلط سمجھے ہوئے تھے۔ یعنی تصوف میں تین چیزیں ہیں۔ ایک تو ایمان اور عمل صالح کہ یہ عین تصوف ہیں ایک وہ کہ ان کو تصوف سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک مباحات دوسرے ممنوعات جیسے یہ عقیدہ کہ طریقت میں سب کچھ مباح ہو جاتا ہے یا یہ کہ میرے پیر کو سب کچھ خبر ہے۔

حکایت:۔ جیسے چند روز ہوئے ایک پیر صاحب نے کہا کہ میرے سپرد پولیس کا کام ہے اور ہر جمعرات کو سب اولیاء پیراں کلیر میں جمع ہوتے ہیں۔ اور اشرف علی بھی وہاں آتا ہے وہ سمجھتے تھے کہ میں سنکر خوش ہوں گا مگر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں اُن کو یقینی کاذب سمجھنے لگا تو گویا خدائی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے اختیار میں کچھ سمجھنا بھی ایسا ہی ہے یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ معاصی لعینہ ہیں۔ دوسری وہ چیزیں کہ وہ معصیت لغیرہ ہیں جیسے سماع کا

لہ تصوف تو ظاہر اور باطن دونوں کو سنوار لیتا ہے ۲ تم کو ہم سے بہت قرب دیں گے۔
۳ خود اپنی ذات سے گناہ ہو ۲ دوسری خرابیوں کی وجہ سے گناہ ہو۔

Marfat.com

سننا کہ اگر کسی کا مجبوری کی وجہ سے سُن لینا منقول ہے تو یہ وہ حجت نہیں اور بلا عذر ناجائز ہے اور اب تو اس کی حالت نہایت گندہ و رگندہ ہو گئی ہے اور واقع میں یہ سب اعمال فقہیہ[1] ہیں ان کو تصوف سے کچھ علاقہ نہیں اور بعض وہ اعمال ہیں کہ ان کو تصوف سے علاقہ تو ہے مگر وہ میں تصوف نہیں جیسے احوال[2] کہ کثرت ذکر سے کبھی مرتب ہو جاتے ہیں۔ تو مقصود کے متعلق چار چیزیں ہوئیں۔ ایمان اور اعمال اور اخلاق اور حالات کہ ان کو تصوف سے تعلق ہے بعض کو عینیت[3] کا اور بعض کو ترتب[4] و مناسبت کا جیسے احوال کہ اگر ہوں تو اچھا ہے اور نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۱۷۸) شیخ کامل کی پہچان

یہیں سے شیخ کامل کی پہچان بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ اس کے اندر ایک تو ایمان خالص ہونے کی ضرورت ہے دوسرے اعمال صالحہ کی تیسرے اخلاق کی

---

[1] اللہ رسول کے جو احکام زبان ہاتھ ناک وغیرہ ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ چیزیں ظاہر سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ گو تصوف بغیر ظاہر کو سنوارے نہیں ہو سکتا اس لیے یہ بھی تصوف کے لیے ضروری ہیں مگر دراصل دل والے حکموں میں سے نہیں [2] دل کی کیفیات اور حالتیں [3] بعینہ اور خود ذات تصوف ہونے کا جیسے ایمان۔ عمل اور اخلاق۔
[4] اعمال تصوف پر مرتب ہونے اور مناسبت رکھنے کا جیسے حالات۔

Marfat.com

کہ اس میں صبر و شکر ہو دُنیا سے اس کو نفرت ہو کہ اس کی صحبت سے بھی دُنیا سے جی ہٹ جاوے اور ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کی طرف عوام کم متوجہ ہوں اور اہلِ علم و فہم زیادہ متوجہ ہوں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس درویش پہ اہلِ دُنیا زیادہ ہجوم کریں معلوم کر لینا چاہیئے کہ یہ خود بھی دُنیادار ہے کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس اور جس کی طرف صلحاء زیادہ متوجہ ہوں وہ ہادی ہونے کے لائق ہے جب ایسا شخص مل جاوے تو اس کی صحبت اختیار کرو اور جس کو یہ سب حاصل ہو جائیں ان کے لئے آگے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اُولٰئِکَ لَھُمُ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ یعنی ان کو اس سے امن ہوگا کہ ان کو بُعد ہو چونکہ آج کل صوفی گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ تصوف کی حقیقت اور کاملین کی علامات کو بیان کر دوں تاکہ لوگ ان کے پھندے سے بچ سکیں۔

(۱۷۹) ہر مسلمان کو حق تعالیٰ کی غلامی اور عاشق ہونے کا تعلق رکھنا چاہیئے

خدا تعالیٰ سے جو ہمارا تعلق ہے وہ آقا اور نوکر کا سا نہیں ہے بلکہ ہمارا تعلق خدا سے سید اور غلام اور محب اور محبوب کا سا ہے پس ہم کو ان ہی دو تعلقوں کو غلبہ دینا چاہیئے کہ اپنے کو مملوک اور اس کو مالک اور اپنے کو محب اور اس کو

لے ہم جنس اپنے ہم جنس کی طرف جھکتا ہے لے یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے دوگنا ثواب ہے ان کے عملوں کی وجہ سے اور وہ جنت کے بالاخانوں میں امن والے ہیں۔

Marfat.com

محبوب سمجھیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ ہم تو محب نہیں بنتے کہ ہم پر حقوق واجب ہیں تو میں کہوں گا کہ حضرات اب آپ کیا محب بنیں گے۔ محب تو آپ اس دن ہو چکے جس دن مسلمان کہلائے۔ کیونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الشئی اذا ثبت بثبت بلوازمہ کہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے اپنے لوازم کے ساتھ ہوتی ہے اور اسلام کے لوازم سے ہے محب ہونا فرماتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ اور اشد محبت ہی کا نام عشق ہے۔ پس آپ تو عاشق خدا ہو چکے اور اگر کہئے کہ ہم کو تو اپنا عشق معلوم بھی نہیں پھر ہم کیونکر عاشق ہوئے تو سمجھیے کہ کسی وصف کے حاصل ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا علم یا اس کی طرف التفات بھی ہو دیکھئے اگر ایک شخص مرے اور دس ہزار کی جائداد چھوڑ جائے یا بنک میں دس ہزار روپیہ چھوڑے اور ایک نابالغ لڑکا وارث چھوڑے تو باپ کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے کے لیے وصف[1] ملکیت ثابت ہو لیکن اس لڑکے کو خبر بھی نہیں تو ہماری بھی یہی حالت ہے کہ ہم کو عشق ہے اگرچہ خبر نہیں اور اس کی طرف التفات نہیں۔ گو وہ حالت ہے کہ ؎

یک سبد نانے ترا بر فرق سر　　تو ہمی جوئی لب نان در بدر

کہ ایک ٹوکرا بھرا ہوا روٹیوں کا سر پر رکھا ہوا ہے اور بھیک مانگتا پھرتا ہے۔

---

[1] اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سخت محبت والے ہیں۔ [2] مالک ہو جانے کی صفت۔

Marfat.com

(۱۸۰) اس تعلق کے انکشاف[1] کا طریقہ

اور طریقہ خبر ہونے کا یہ ہے ؎

سالہا[2] تو سنگ بودی دلخراش — آزموں را یک زمانے خاکباش

در بہاراں[3] کے شود سرسبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

کہ آزمانے ہی کے لیے ایک تھوڑی مدت خاک ہو جاؤ تو آپ اگر اپنی دولت کی خیر چاہتے ہیں تو اپنے ادراک[4] سے خبر لیجئے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ آنکھ ہو مثلاً اگر ایک نابینا مادر زاد رنگ کی حقیقت پوچھے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ رنگ تو تمہارے کپڑے ہی میں موجود ہے۔ مگر اس کے لیے صرف ہاتھ کافی نہیں نہ محض سن لینے سے اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اگر اس کو دریافت کرنا چاہو تو اوّل آنکھ پیدا کرو اسی طرح جو لوگ قرآن میں تاویلیں کرتے ہیں وہ اپنی رائے سے قرآن کے معنی بیان کرتے ہیں تو اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے ہاتھ سے رنگ کا دریافت کرنا جس طرح محض ہاتھ سے رنگ دریافت نہیں ہو سکتا اسی طرح محض رائے سے قرآن کے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ ؎

بر ہوا[5] تاویل قرآں می کنی — پست کژ شد از تو معنی سنی

---

[1] خیر ہونا [2] برسوں تک تو تم دلوں کو زخمی کرنیوالے پتھر بنے رہے ہو آزمانے کیلئے ہی کچھ مدت کیلئے خاک بن جاؤ۔ [3] موسم بہار میں پتھر کب سرسبز و شاداب ہو سکتا ہے۔ مٹی بن جاؤ تاکہ رنگا رنگ پھول اُگ سکیں [4] علمی و احساسی قوت [5] تم تو اپنی خواہشات پر قرآن کی تاویل کر رہے ہو۔ تمہاری وجہ سے تو قرآنی عمدہ معنے پست اور ٹیڑھے ہو گئے۔

Marfat.com

چوں[1] ندارد جانِ تو قندیلہا — بہر بینش می کنی تاویلہا
کردۂ[2] تاویل لفظا بگذرا — خویش را تاویل کن نے ذکر را

صاحبو اپنے اندر تصرف[3] کرو کلام اللہ میں تصرف نہ کرو اپنی آنکھیں کھولو اور اس سے حجاب اٹھاؤ پھر دیکھو تم کو کیا کنز مکنون[4] نظر آتا ہے

(۱۸۱) حبِ دنیا کا حجاب حقیقت ہونا

اور وہ حجاب حب دنیا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ یہ مال وجاہ کی محبت بہت بڑا حجاب ہے اسی کی محبت تھی کہ بنی اسرائیل کے علماء باوجود یکہ ان کو آپ کا نبی ہونا معلوم تھا۔ لیکن ایمان نہ لائے تھے جانتے تھے پر مانتے نہ تھے یَعْرِفُوْنَہٗ[5] کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ لیکن باوجود اتنی معرفت کے انکو حقیقت نظر نہ آتی تھی کیونکہ حب مال وجاہ کا حجاب آنکھوں پر پڑا ہوا تھا اور جب حقیقت معلوم نہیں ہوتی تو دل میں وقعت اور عظمت نہیں ہوتی۔ دیکھئے اگر کوئی آگ میں کودے تو اگرچہ کہا جاوے گا کہ یہ آگ کو جانتا تھا۔ لیکن یہ نہ کہا جائے گا کہ آگ کی حقیقت اس کی نظر میں تھی اور جتنے جرائم اس قسم کے لوگ کرتے ہیں

---

[1] جب تمہاری جان انوارِ الٰہی کی قندیلیں نہیں رکھتی تو اب تم ان معنے کے دیکھنے کیلئے تاویلیں ہی کروگے [2] تم نے اچھوتے لفظ کی تاویل کر ڈالی مگر تم اپنے میں تاویل کرو۔ ذکرِ الٰہی میں تاویل نہ کرو
[3] ردوبدل کہ دل میں انوار وبرکات پیدا کرو [4] ردوبدل یعنی تحریف [5] چھپا خزانہ۔
[6] یہ لوگ رسول اللہ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

Marfat.com

اس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ ان کو اصلی حقیقت اس چیز کی معلوم نہیں ہوتی۔ اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی کنوئیں میں گر جاتے ہیں۔ لیکن گرنے کے بعد جب ان کو کنوئیں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اس وقت کوئی ان سے پوچھے کہ کنوئیں میں گرنے کی بابت اب آپ کا کیا فتویٰ ہے لکھنؤ میں ایک صاحب نے کسی بات پر طیش میں آکر سنکھیا کھایا کھا تو گئے لیکن کھانے کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہوئی تو آنکھیں کھلیں پھر یہ حالت تھی کہ لوگوں سے التجائیں کرتے تھے کہ کسی طرح مجھے اس سے نجات دلواؤ تو بنی اسرائیل کو اگرچہ معرفت تھی۔ لیکن آپ کی حقیقت ان سے مخفی تھی۔ اس لیے کہ حجاب مرتفع نہ ہوئے تھے۔ اور ؎

چوں[1] غرض آمد ہنر پوشیدہ شد　　صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

(۱۸۴) حب دنیا کے ازالہ کی ترغیب اور اس کا طریقہ

پس آپ ان حجابوں کو دور کر دیجئے حقیقت بالکل قریب ہے بلکہ حقیقت الحقائق جل وعلی مخلوق[2] اقرب الیہ من حبل الورید۔

حکایت:۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یا رب دلنی علی اقرب طرق الیک کہ اے خدا مجھے آپ تک پہنچنے کا وہ رستہ بتلا دیجئے جو سب سے زیادہ قریب کا ہو۔ سبحان اللہ کیسے سچے رہبر تھے کہ ہمارے

---

[1] جب غرض آگئی تو ہنر چھپ گیا سیکڑوں حجاب دل سے آنکھ تک آگئے۔

[2] ہم اس کی طرف شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔

Marfat.com

لیے کتنا سہل رستہ تحقیق کر گئے۔ یہ آجکل جو لوگ آسانی سے منزلیں طے کرتے چلے جا رہے ہیں انہیں حضرات کا طفیل ہے۔ غرض خواب میں عرض کیا اے خدا مجھے قریب کا رستہ بتلا دیجئے ارشاد ہوا کہ یا ابایزید دع نفسک و تعال کہ پندار اور خود بینی چھوڑ دو پھر رستہ سیدھا ہے بے خطر چلے آؤ۔ اس مضمون کو عارف شیرازی رح نے ترجمہ کیا ہے فرماتے ہیں ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست ۔۔۔ تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

حقیقت میں سچ کہا ہے صاحبو اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کے پاس دولت حبِ خداوندی ضرور ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک بدیہی ثبوت بھی ہے کہ ہم لوگ اپنے خیال میں جس کو دین سمجھتے ہیں اگر کسی کو اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو ہم کو اس پر کس قدر طیش آتا ہے کہ ہم اس کے درپے آزار ہو جاتے ہیں اور دل کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ آخر یہ نفرت اور وحشت کیوں ہے اس لیے کہ وہ طریق جس کو ہم دین سمجھتے ہیں ہمارا محبوب ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے خیال میں خدائی رستہ ہے جو کہ خدا نے ہم کو بتلایا ہے پس ہماری محبت کی ایسی مثال ہے جیسے کہ راکھ کے نیچے چنگاری دبی ہوتی ہے کہ اگر اس کو چھیڑا اور کریدا نہ جائے تو وہ نظر بھی نہیں آتی۔ لیکن وہی چنگاری جب راکھ سے

لہ اپنے کو کچھ سمجھنا اور اپنے کو دیکھنا ۲ے عاشق و معشوق یعنی انسان و خدا کے درمیان کوئی بھی چیز حائل نہیں۔ حافظ تم خود ہی اپنے لیے حجاب و رکاوٹ بنے ہو بس درمیان سے نکل جاؤ یعنی خود کو نیست کر دو خواہشات اور اپنے کو کچھ سمجھنا فنا کر دو۔

Marfat.com

باہر نکلتی ہے تو شہر کے شہر جلا دینے کو کافی ہوتی ہے

(۱۸۳) مسلمان کو جس شے سے بھی محبّت ہوتی ہے۔ وہ

حُبِّ حق ہی کا ظلّ[1] ہے

اور اگر کسی کو اب بھی شک رہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر براہِ راست خدا سے محبّت معلوم نہیں ہوتی تو اس شخص کو کسی سے تو محبّت ہوگی۔ کم از کم اپنی جان سے تو ضرور ہی محبت ہوگی ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ محبّت کسی نہ کسی کمال کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے علم و فضل و حسن صورت، حسن سیرت اور تیسرا مقدمہ یہ ہے اور مسلّم ہے کہ ہر کمال ظلِّ کمال خداوندی ہے تو ہر شخص اگرچہ وہ کسی کا عاشق ہو واقع میں کمال خداوندی کا عاشق ہے اور یہی معنی ہیں۔ محبّت خدا کے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے دیوار پہ دھوپ دیکھی اور اس کی وجہ سے وہ دیوار کا عاشق ہوگیا اس صورت میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ شخص واقع میں دیوار کا عاشق نہیں آفتاب کا عاشق ہے۔ کیونکہ دیوار کا عشق ایک کمال کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ یعنی نور اور وہ کمال واقع میں

---

[1] سایہ یا پرتو ۔ یعنی اصل کمالات تو صرف حق تعالیٰ کے ہی ہیں۔ انہی کا پرتو کچھ کچھ کسی کسی کو عطا ہوا ہے۔ تو اس پرتو پر عشق اصل پر ہی عشق ہے گو اصل کی خبر نہ ہو یا اس کی طرف توجہ نہ ہو اور اسی کو اصل سمجھ کر دھوکہ میں مبتلا ہو۔

Marfat.com

آفتاب کا کمال ہے نہ کہ دیوار کا یہی وجہ ہے کہ جب آفتاب چھپ جاتا ہے اور اس سے وہ نور زائل ہو جاتے تو عشق بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اسی کو کہتے ہے ؎

عشق[1] با مردہ نہ باشد پائیدار — عشق را با حیّ و با قیوم دار
عشق[2] ہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود
عاشقی با مردگاں پائندہ نیست — زانکہ مُردہ سوئے ما آئندہ نیست

(۱۸۴) جس میں جو کمال ہے وہ کمال حق ہی کا ظل ہے

علیٰ ہذا جس چیز کا بھی جو کمال ہے وہ واقع میں کمال خداوندی کا ظل ہے خود اس کا ذاتی نہیں دیکھئے ہر چیز ہر کمال کے ساتھ اگر ایک وقت متصف ہے تو دوسرے وقت اس سے خالی بھی ہے تو اس خلو[3] کی یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک وہ کمال خدا تعالیٰ کی جانب سے عطا نہیں ہوا۔ اسی طرح جب اس کے ساتھ اتصاف ہوتا ہے تو اس کی یہ وجہ ہے کہ ادھر سے فیضان ہو گیا اسی لیے بزرگ لکھتے ہیں ؎

---

[1] مرجانے والے کیساتھ عشق کرنا پائیدار نہیں ہو سکتا عشق تو اس ذات سے رکھو جو ہمیشہ زندہ اور سب نظام والی ہے [2] یہ جو عشق رنگ روپ کی وجہ سے ہوتے ہیں حقیقت میں عشق ہی نہیں۔ انجام کار شرم و عار ہوتے ہیں [3] مرجانے والوں کے ساتھ عشق کرنا دیر تک رہنے والا ہی نہیں۔ کیونکہ مردہ پھر ہمارے پاس آنے والا نہیں [4] اگر اس کی ذات ہی کی وجہ سے ہوتا تو جب تک ذات رہتی برابر رہتا [5] خالی ہونا۔

Marfat.com

حسن[1] خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو حسینوں کے ساتھ اتحاد ذاتی ہے یا اس نے ان میں حلول کیا ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ تو ایمان کے بالکل خلاف ہے اور کفر ہے اور کوئی عامی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اگر ذرا سمجھ سے کام لے چہ جائیکہ کسی صاحب[2] دل کے کلام کے یہ معنی ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ذات مجتمع الصفات کے مظہر ہیں اور اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل کی اس موقع پر ضرورت نہیں یہ فن کا مستقل مسئلہ ہے غرض جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ عشق کمال سے ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہر کمال واقع میں کمال خداوندی ہے اگرچہ وہ دوسرے کے اندر نظر آئے تو یہ بات بلاشک ثابت ہو گئی کہ ہر عاشق خدا کا عاشق ہے۔

(۱۸۵) محب کے ذمہ محبوب کے جو حقوق ہوتے ہیں ہم کو حق تعالےٰ سے اسی طرح کا تعلق رکھنا چاہیئے اور اس کی نوعیت

اس کے معلوم کر لینے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ عاشق کو معشوق سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اور اس کے دل میں معشوق کی کتنی عظمت اور وقعت ہوتی

---

[1] اپنے ہی حسن کو آپ نے خوبصورتوں کے چہرے سے ظاہر کر دیا ہے لہٰذا آپ نے عاشقوں کی نظر میں ہر جگہ سے اپنے کو ہی جلوہ دیا ہے [2] جس کے دل میں اللہ کے ساتھ کی نسبت قائم ہو [3] تمام صفتوں کو جمع رکھنے والی ذات کی صفتوں کے ظاہر ہونے کی جگہ ہیں۔

Marfat.com

ہے کیا اگر کسی عاشق کو اس کا معشوق حکم کرے کہ تم میرے پاس آؤ یا گرمی کے وقت چلچلاتے ہوئے دوپہر میں چار کوس تک برہنہ پا چلتے ہوئے ریت پر چلنے کا حکم کرے تو وہ عاشق انکار کرے گا یا اس سے اس حکم کے مصالح پوچھے گا۔ ہرگز نہیں۔ اور اگر کوئی مدعی عشق اپنے معشوق کے حکم پر لم اور کیف کرے تو کیا اس کو اس دعوے میں سچا کہا جائے گا۔ کبھی نہیں ظاہر ہے کہ اگر اس کو سچا عشق ہوگا تو اس کے بلانے پر دوڑا ہوا آئے گا۔ بلکہ اگر کوئی روکنے بھی چاہے تو ہرگز نہ رُکے گا۔ اور کہے گا کہ مجھ میں امتثال کی وہ حرارت بھری ہے کہ یہ روک اس کے سامنے کچھ بھی نہیں غرض کسی قسم کے کسی امر و نہی میں اس کو ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا لوگ اس کی حرکات پہ اس کو دیوانہ بتلائیں گے۔ پاگل کہیں گے۔ مگر اسکو ان خطابوں سے ذرا عار نہ ہوگی۔ بلکہ وہ نہایت خوش ہوگا اور کہے گا کہ ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

جس طرح آجکل کے عقلاء علماء دین کو نیم وحشی وغیرہ وغیرہ خطاب دیتے ہیں لیکن وہ نہایت مسرور ہیں اسواسطے کہ ان کا یہ مذہب ہے کہ ؎

عَذَلُ الْعَوَاذِلِ حَوْلَ قَلْبِی التَّائِہ　　وَھَوَی الْاَحِبَّۃِ مِنْہُ فِی سَوْدَائِہٖ

کہ ملامت گر کی ملامت تو قلب کے باہر ہے اس کے اردگرد چکر اکر رہ گئی ہے اور محبت سویدائے قلب تک پہنچ کر جاگزیں ہو چکی ہے الحاصل جب معلوم

ہ کیوں اور کیسے ؎ حکم کی تعمیل کے جوش کی ہاں۔ ؎ ہم اگر گمنام ہیں اگر دیوانے ہیں۔ تو اُسی ساقی کے اور اسی کے پیمانہ مست ہیں۔

؎ دل کے اندر کا سیاہ نقطہ۔

Marfat.com

ہوا کہ عاشق کو معشوق کے ساتھ یہ برتاؤ چاہیئے اور ہم خدا کے عاشق ہیں۔ جیسا ابھی ثابت ہوا تو ہم کو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہیئے۔ اور اس کے احکام کے امتثال[1] میں بے چون وچرا گردن جھکا دینی چاہیئے۔

حکایت:۔ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر[2] طالب علمی کہ چون وچرا نکند وہر درویشے کہ چون وچرا کند ہر دو را در چراگاہ باید فرست

وجہ یہ ہے کہ طالب علم تعلیم کے وقت طالب فن میں ہے اور حصول فن کے لیے لازمی ہے کہ سوالات کرے اور قیل وقال سے مسئلہ کی تہ تک پہنچے اور سالک سلوک طے کرتے وقت عمل میں مشغول ہے اس کے لیے جرح وقدح موجب[3] حرماں اور سبب ہلاکت ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک حکیم کے مطب میں کچھ مریض بھی علاج کرانے کو آئیں اور کچھ لوگ طالب فن کے لیے درسیات طب پڑھنے بھی آئیں پس اگر ان طالبین فن میں سے کوئی شخص درس کے وقت بالکل خاموش بیٹھا رہے اور کسی قسم کا سوال نہ کرے تو وہ طبیب اس کو نالائق کہہ کر درس سے اٹھا دے گا۔ لیکن کوئی مریض نسخہ لکھواتے وقت کسی قسم کا چون وچرا کرے اور ادویہ یا ان کے اوزان کی حکمت دریافت کرنے لگے۔ تو اس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوگا۔ غرض طالبعلم

---

[1] تعمیل میں بغیر کیوں اور کیسے کے [2] ہر وہ طالب علم کہ کیسے ہے اور کیوں ہے۔ نہ کرے۔ اور ہر وہ درویش کہ کیسے ہے اور کیوں ہے کرے دونوں کو چراگاہ میں بھیجدینا چاہیئے یعنی وہ جانور ہیں آدمی نہیں [3] محرومی کا ذریعہ [4] نکال دے گا

Marfat.com

کا گڑبڑ کرنا اور حکمت و مصلحت دریافت کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بے موقع نہیں اور عوام کا چون وچرا کرنا بُرا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بے موقع ہے۔ لیکن یہ مرض کچھ ایسا عام ہوا ہے کہ ہر شخص احکام کی حکمتیں دریافت کرنے کے درپے ہے اور اپنے کو حکمتیں سمجھنے کے قابل سمجھتا ہے۔

حکایت :- ایک شخص نے جو کہ پٹواری گری کرتے تھے۔ میرے پاس ایک مسئلہ فرائض کا بھیجا صورت مسئلہ یہ تھی کہ ایک شخص مرا اور اس نے ایک بھتیجا اور ایک بھتیجی چھوڑی میں نے جواب دیا کہ بھتیجے کو حصّہ پہنچے گا اور بھتیجی محروم ہوگی۔ کہنے لگے کہ آخر اس کی کیا وجہ بھتیجی بھی تو اس بھتیجے کی بہن ہے اس کو کیوں نہیں ملے گا۔ میں نے کہا کہ جناب آپ پٹواری گری کرتے ہیں اس کو چھوڑیئے اور آکر درسیات شروع کیجئے تین چار برس تک عربی کی کتابیں پڑھیئے اس کے بعد پھر دریافت کیجئے تو بتلا دیں گے راز اس میں وہی ہے کہ طالب علم طالب فن ہوتا ہے۔ اور عوام محض عمل کے لیے مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ ان کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں کہ حکم مسئلہ کا معلوم ہو جاوے ولیس۔ دوسرے ایک[1] راز اس میں یہ بھی ہے کہ طالب علم کو یہ تمیز ہوتی ہے کہ کون سی بات

---

[1] دوسری بات یہ بھی ہے کہ بہت سی مصلحتیں علوم اور اصلاحات سے سمجھ میں آسکتی ہیں اور عام آدمی ان سے خالی ہوتا اور اگر وہ تمام ضروری علمی و اصلاحی باتیں بھی بیان کر دی جائیں تو وہ ایک دم سے نہ ذہن میں آسکتی ہیں نہ جم سکتی ہیں وہ تو رفتہ رفتہ علوم حاصل کرنے سے ہی حاصل ہوتی اور جم جاتی ہیں۔

Marfat.com

دریافت کرنے کے قابل ہے اور کونسی نہیں اس لئے وہ جو کچھ دریافت کرتا ہے سمجھ بوجھ کر کام کی بات پوچھتا ہے۔ برخلاف عوام کے کہ ان کو اس کی تمیز نہیں ہوتی۔

حکایت :- ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں مقرر ہوئی۔ میں نے بطور نظیر کے ان سے کہا۔ کہ اوّل تو یہ بتلائیے کہ آپ کی ناک چہرہ پر کیوں لگائی گئی۔ کمر پر کیوں نہیں لگائی گئی۔ جب اس ترتیب کے وجوہ اور مصالح سب آپ کو معلوم ہو جائیں تو اس کے بعد اوقات نماز کی تعیین کے مصالح دریافت کیجئے گا۔ غرض جس کو فن سے مناسبت نہیں ہوتی اس کا بولنا ہمیشہ بے موقع ہوتا ہے اور اس لیے وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

حکایت :- ایک مرتبہ امام ابو یوسف رح بیٹھے ہوئے کچھ بیان فرما رہے تھے اور لوگ لکھ رہے تھے اور پوچھ بھی رہے تھے۔ ان ہی میں ایک شخص بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی تم بھی کچھ پوچھو عرض کیا اب پوچھوں گا۔ بیان میں آپ نے فرمایا کہ جب آفتاب غروب ہو جائے تو افطار میں دیر نہ کرے اس شخص نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ بولوں امام صاحب نے فرمایا کہو تو کیا کہتا ہے۔ کہ اگر کسی روز آفتاب ہی غروب نہ ہو تو کیا کریں۔ امام صاحب نے فرمایا

لہ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کو تکوینی یعنی بندہ کے اختیار کے بغیر کیا جاتا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ مگر شرعی یعنی جو بندہ کے اختیار کرنے کا ہے تو ایک حکم کی وجہ کی فکر ہے اور ایک کی نہیں معلوم ہوتا ہے نفس کی چالاکی ہے وہ کام کو ٹالنے کی راہ ڈھونڈتا ہے یہ خطرناک بات ہے۔

Marfat.com

کہ تمہارا خاموش ہی رہنا بہتر ہے۔

حکایت :- اسی طرح مشہور ہے کہ ایک دلہن بالکل بولتی ہی نہ تھی اس کی ساس نے اس سے کہا کہ دلہن تم بھی بولا کرو۔ تم خاموش کیوں رہتی ہو۔ دلہن نے کہا کہ بہت اچھا اب بولوں گی چنانچہ ایک روز بولی۔ ساس کو خطاب کر کے کہنے لگی کہ اماں جلایہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارا لڑکا مر گیا تو میرا نکاح کسی دوسرے سے بھی کر دو گی۔ ساس نے کہا کہ دلہن بس تم خاموش ہی رہا کرو۔ تمہارے لئے وہی بہتر ہے۔ تو دیکھئے تمیز نہ ہونے کی وجہ سے بات بھی پوچھی تو کیسی خوبصورت کہ ساس کا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔

(۱۸۶) احکام شریعت کے امتثال[1] میں ہماری حالت بالکل عاشق کی طرح ہونی چاہیئے

صاحبو شریعت کے احکام کے ساتھ ہمارا بالکل وہ مذہب ہونا چاہیئے جو عاشق کا معشوق کے ساتھ اور مملوک[2] کا مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔

حکایت :- مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے۔ اس نے کہا کہ جو آپ مقرر کریں۔ پھر آقا نے پوچھا کہ تو کیا کھایا کرتا ہے غلام نے کہا کہ جو آپ کھلائیں۔ اسی طرح لباس کے متعلق سوال کیا تو اس نے

---

[1] تعمیل کرنے میں [2] غلام۔

Marfat.com

جواب دیا کہ جو کچھ آپ پہنائیں وہی لباس ہے تو صاحبو کیا خدا سے جو علاقہ ہے وہ غلامی نہیں ہے۔ بلکہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کو حقیقی غلامی حاصل ہے۔ دیکھو انسانی غلامی سے انسان ایک وقت نکل بھی سکتا ہے۔ یعنی جبکہ آقا غلام کو آزاد کر دے برخلاف ہماری غلامی کے کہ یہ طوق ہماری گردن سے کبھی نکل ہی نہیں سکتا ہے۔ کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی یہی صورت ہے کہ نعوذ باللہ ہم بندے نہ رہیں۔ اور خدا خدا نہ رہے اور یہ غیر ممکن ہے تو ہماری آزادی بھی غیر ممکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری آزادی محال عقلی ہے اور ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلام ہیں۔ تو ہم کو غلامی ہی کا برتاؤ بھی کرنا چاہیئے۔ اور کسی کے حکم کے امتثال میں گرانی نہ ہونی چاہیئے اور میں کہتا ہوں کہ احکام کے دشوار معلوم ہونے سے ان میں کسی قسم کا شبہ کرنا تو بالکل لغو ہے۔ کیونکہ احکام کا نفس پر گراں گذرنا یہی تو دلیل ہے اس حکم کے خداوندی حکم ہونے کی کیونکہ جو حکم نفس کے موافق ہوا سکو تو نفس خود ہی اپنے لئے تجویز کر لیتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کے حکم کرنے کی کیا ضرورت۔ تو خدا کی جانب سے تو وہی احکام مقرر ہوں گے جو کہ نفس پر گراں ہوں تاکہ خدا تعالیٰ دیکھیں کہ جو کچھ کرتے ہو اس سے اپنے نفس کا خوش کرنا منظور ہے یا خدا کا اور اس خوش کرنے میں بھی ہماری ہی مصلحت ہے نہ کہ خدا کی ؎

منت نہ کردم خلق تا سودے کنم　　بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

لہ میں نے اس لیے مخلوق کو پیدا نہیں کیا کہ اپنا کوئی نفع کروں بلکہ اس لیے کہ اپنے بندوں پر خوب سخاوت کروں۔

Marfat.com

انہا وسیع نظام عالم ہمارے ہی فائدے کے لیے ہے اور ہمیں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے ہر طرح ہماری ہی مصلحتوں پہ نظر ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہماری مصالح حال کی بھی ہیں جن کو ہم نے اختراع کہہ کے مصلحت کا لقب دیا ہے۔ ان احکام میں رعایت ہو لہذا ہم کو بھی یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ فی الحال ہماری کیا مصلحت ہے۔ بلکہ اگر مصالح حال پہ نظر ہوتی تو احکام بتلانے کی ہی کیا ضرورت تھی جب ہم نے مصالح کو اختراع کیا ان کے مناسب تجاویز بھی سوچ سکتے تھے۔

(۱۸۷) احکام شرعیہ کو حقیقت نہ جاننے کے سبب بظاہر نفس کو

گراں معلوم ہوں لیکن واقع میں خیر وہی ہے

غرض احکام کی سختی وسوسہ کا سبب ہوتی ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سختی ہی ان احکام کے من عند اللہ ہونے کی دلیل ہے دیکھئے جب بچہ کا دودھ چھوڑاتے ہیں تو کیسی کچھ مصیبت ہوتی ہے۔ کتنی تکلیف بچہ کو پہنچتی ہے۔ اور دودھ پینے کے لیے کیا کچھ ضدیں کرتا ہے لیکن اس کی ایک نہیں سنی جاتی بلکہ کبھی ایلوا لگا کر کبھی کسی دوسری تدبیر سے اس کو دودھ پینے سے روکا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ماں، باپ بچہ سے زیادہ اس

لہ گھر کے تجربہ کر کے ۲ اس وقت یعنی دنیا میں اور آخرت میں تو ثواب اور جنت اور خوشنودی ہے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

Marfat.com

کی مصلحتوں کو جانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس وقت اس کی مرضی کے موافق کیا گیا تو جوان ہو کر تباہ ہو گا اور ساری عمر اسی بلا میں مبتلا رہے گا۔ بعینہٖ یہی حالت انسان کے نفس کی ہے ارشاد ہے۔ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط کہ اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو زمین و آسمان سب خراب اور برباد ہو جائیں بس ہمارے لیے یہی شفقت ہے کہ ہماری ایک نہ سنی جائے جس طرح بچہ کی رائے کو نہیں سنا جاتا اور محض اس وجہ سے کہ جوان ہو کر جو اجزائے بدن حرارت سے تحلیل ہوتی ہیں ان کے لیے صرف دودھ بدل ما یتحلل نہیں ہو سکتا بچہ کی ضد کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بچے اور اس کے ماں باپ کا علم باوجود متفاوت ہونے کے پھر بھی کسی درجہ میں متقارب[3] ہے کیونکہ دونوں متناہی ہیں اور متناہیین کا تقارب ظاہر ہی ہے برخلاف بندے کے علم اور خدا کے علم کے کہ دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کے علم کو بھی خدا کے علم سے کوئی تناسب[4] نہیں ہے۔ کیونکہ مجموعۂ کائنات کا علم کیسا کچھ بھی ہو پھر بھی متناہی تو ضرور ہو گا۔ برخلاف علم خداوندی کے کہ وہ غیر متناہی[5] ہے

---

[1] گھل گھل جاتے ہیں [2] گھل جانے والے جزوں کا بدلہ [3] قریب قریب ہے کہ دونوں انسانی محدود علم رکھتے ہیں۔ گو ایک کم بہت کم۔ دوسرا زیادہ مگر محدود [4] دو محدودوں کا کچھ نہ کچھ قریب قریب ہونا مناسبت اور قریب ہوتا ہے۔ ساری مخلوق کا سارا علم بھی محدود ہی ہے۔ اس کا نامحدود [5] محدود یعنی بے حد و بے انتہا اس لیے قطرہ و سمندر کی نسبت نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

شیخ خوب کہا ہے ؎

اگر آفتاب ست یک ذرہ ایست
وگر ہفت دریا ست یک قطرہ ایست

چو سلطان عزت علم برکشد
جہاں سر بجیب عدم درکشد

(۱۸۸) وحدۃ الوجود کے معنی اور اس میں عوام کی غلطی اور اسکی اصلاح

اور یہی وہ کیفیت ہے جس کو اہل فن نے وحدۃ الوجود کہا ہے جو معنی عوام میں مشہور ہیں کہ میں خدا اور تو بھی خدا اور در و دیوار بھی خدا۔ یہ معنی بالکل غلط ہیں اور بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی بالکل ہی موجود نہیں یہ بھی بالکل غلط ہے۔ اور قرآن حدیث کے بالکل خلاف ہے ارشاد خداوندی ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ حقیقت میں یہ مسئلہ عالی ہے عالی نہیں وہ حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات پیش نظر ہوتی ہے

لہ اگر آفتاب بھی ہے تو ان کے آگے ایک ذرہ کے برابر اور اگر ساتوں سمندر کا مجموعہ ہے تو ایک قطرہ کے برابر ۱۲ جب عزت کا بادشاہ جلوہ افگن کرتا ہے تو سارا جہان عدم کے گریبان میں سر ڈال لیتا ہے یعنی سارا جہان بھی ان کے آگے مثل نہ ہونے کے ہو جاتا ہے ۱۳ وجود کا ہونا یعنی یہ جو ہر ہر چیز کا وجود الگ الگ نظر آرہا ہے حقیقت کی نظر میں وجود صرف ایک ہی ہے ۱۴ کہ ان کے سامنے ہر چیز مثل نہ ہونیکے ہے۔ ۱۵ اللہ تعالیٰ ہی ہر موجود چیز کو پیدا کرنے والے ہیں وہی ہر ہر موجود کے ذمہ دار ہیں۔ ۱۶ ایک حالت کیفیت کی صورت ہے۔ کہ جب صفات و ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے کوئی اور نظر میں نہیں آتا تو کہہ دیتے ہیں کہ سوائے ان کے کسی کا وجود نہیں یعنی اور سب مثل نہ ہونے کے ہیں یہ نہیں کہ ہیں ہی نہیں لہذا صرف مجاز ہے۔ تحقیقی بات نہیں۔

Marfat.com

اس وقت دوسروں کا اور اپنا وجود کالعدم معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص اگر کسی خیال میں منہمک ہو تو اس کو دوسری تمام چیزوں کی طرف مطلق التفات نہیں ہوتا اگر کوئی اس کو آواز دیتا ہے تو وہ نہیں سنتا بلکہ بعض اوقات خاص خیالوں میں اس قدر انہماک ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی سر کے پاس آکر آواز دے تو مطلق خبر نہیں ہوتی اس کیفیت میں وہ شخص محاورے میں مجازاً کہہ سکتا ہے کہ لاموجود[1] الا الامر الفلانی لیکن ظاہر ہے کہ یہ کہنا واقع کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے ہے اسی طرح وحدۃ الوجود بھی ایک اصطلاح ہے۔ صوفیہ کی کہ وہ اپنی اس قسم کی کیفیت کو وحدۃ الوجود کے عنوان سے مجازاً تعبیر کرتے ہیں جس طرح قرآن و حدیث کے محاورات میں مجاز کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اصطلاح تصوف سے بھی ہے۔ کیونکہ وہ بھی قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہے تو خلاصہ وحدۃ الوجود کا یہ نکلا کہ وجودات[2] متکثرہ گویا نہیں ہیں پس حکم وحدۃ[3] مجازاً ہوا اسی کو ان اشعار میں حل کیا ہے ؎

اگر آفتاب ست یک ذرہ نیست[4] وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

---

[1] سوائے فلاں چیز کے اور کچھ موجود نہیں [2] بہت سے وجودات اور ہر ہر چیز کا وجود۔
[3] ایک ہونے کا حقیقت میں نہیں مجازی کہنے سے ہے کہ ان کے سامنے گویا نہ ہونے کی برابر ہیں
[4] اگر سورج ہے تو ان کے آگے ایک ذرہ کے برابر ہے اور اگر ساتوں سمندر ہیں تو ایک قطرہ کے برابر ہیں۔

Marfat.com

چو سلطان[1] عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

بلکہ ان اشعار ہی میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ موجودات کچھ ہیں ضرور کیونکہ ذرہ اور دریا کے ساتھ است[2] کا حکم کیا گیا ہے۔ باقی آگے جو کہا ہے کہ "جہاں[3] سر بجیب عدم درکشد" اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اس کا وجود کالعدم[4] ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر اس سے بھی زیادہ صاف عنوان سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں ؎

یکے[5] قطرہ از ابر نیساں چکید خجل شد چو پہنائے دریا بدید

کہ ایک قطرہ ابر سے آنا کنداد انا کذا کہتا ہوا چلا مگر دریا کی وسعت دیکھ کر شرمندہ ہو گیا۔ اور باوجودیکہ اپنے اندر خوشنمائی اور شفافی سب کچھ پایا تھا لیکن کہتا ہے۔

کہ جائیکہ او ہست می نیستم گر او ہست حقا کہ من نیستم

اس کے بعد شیخ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ؎

---

[1] جب عزت کا بادشاہ جھنڈا بلند کر دیتا ہے تو سارا جہان عدم کے گریبان میں سر ڈال لیتا ہے

[2] ہیں کہا گیا ہے تو کچھ ہیں

[3] سارا جہاں عدم کے گریبان میں سر ڈال لیتا ہے۔

[4] مثل نہ ہونے کے کہ وجود ہے تو مگر مثل نہ ہونے کے ہے

[5] بہ سات کے عہینہ کے بادل سے ایک قطرہ ٹپکا جب سمندر کی چوڑائی دیکھی تو شرمندہ ہو گیا کہ میں ایسا ہی ویسا ہوں کہ جہاں وہ ہے میں تو نہیں۔ اگر وہ ہے تو حق یہ ہے کہ میں تو بالکل کہتا ہوں۔ کہ میں نہیں ہوں۔

Marfat.com

همہ[1] ہرچہ ہستند از ان کمترند کہ با ہستیش نام ہستی برند

اگرچہ سب موجود ہیں۔ لیکن ذات باری کے سامنے سب کی ہستی ہیچ ہے
زیادہ وضوح کے لیے اس کو ایک اور مثال میں سمجھو۔ مثلاً کسی گاؤں میں جہاں
سب جاہل ہوں ایک شخص قُلْ[2] ھُوَ اللّٰہُ کا حافظ ہو اور تمام گاؤں کے
لوگ اس کو حافظ کہتے ہوں۔ اتفاق سے اسی گاؤں میں کوئی ماہر قاری آجائے۔
جس کو علاوہ حفظ قرآن شریف دمشق کے سبعہ میں بھی مہارت ہو اور اس
قاری کے سامنے کوئی شخص اس قل ہو اللہ کے حافظ کو حافظ کہہ کر پکارے
تو اندازہ کیجیے کہ اس کی کیا حالت ہو گی۔ شرم سے گڑ جائے گا اور اپنے کو قاری
کے سامنے[3] ہیچ تصور کرے گا۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے۔ ہر شخص کے تمام دعاوی
انانیت اس وقت تک ہیں کہ جب تک اپنے اوپر نظر ہے۔ جس وقت کسی
اپنے سے بڑے پر نظر پڑے اس وقت معلوم ہو کہ ہمارے کمالات کیا وقعت
رکھتے ہیں ایک اور حکایت لکھتی ہے کہ

ایک گاؤں کا چودھری اپنے بیٹے کے ساتھ چلا جا رہا تھا راستہ میں
بادشاہ کا لشکر پڑا دیکھا اس کی جمعیت اور حشمت دیکھ کر ڈر گیا اور آگے جانے
کی ہمت نہ ہوئی۔ لڑکے نے کہا ابا آپ کیوں ڈرتے ہیں اگر بادشاہ ہے تو کیا
ہوا آپ بھی اپنے گاؤں کے چودھری ہیں جواب دیا کہ بھائی اگرچہ چودھری

---

[1] یہ سب سب جو کچھ ہیں انکے سامنے اس[3] بہت ہی کم ہے کہ ان کے وجود کے سامنے
اپنے وجود کا نام بھی لے لیں [2] سورت کا نام ہے یہ ہوں میں وہ ہوں کے دعوے۔

Marfat.com

ہوں۔ لیکن میری حکومت صرف اسی قطعہ گاؤں تک ہے اور وہ بھی جبکہ مجھ سے کوئی بڑا وہاں موجود نہ ہو یہ بادشاہ ہے اس کی حکومت سارے ملک پر ہے۔ میں اس کے سامنے کوئی چیز بھی نہیں اس پر شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎

تو اے[1] غافل از حق چناں در دہی کہ بر خویشتن منصبے مے نہی

تحصیلدار اسی وقت تحصیلدار ہے کہ گورنر کے سامنے نہ ہو لیکن اس کے سامنے آنے کے بعد اس کی تحصیلداری ہیچ ہے اگر گورنر کے سامنے کوئی اس کو حضور کہہ دے تو عرق عرق ہو جائے گا۔ بس یہی حالت وحدۃ[2] الوجود کی ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ جس وقت حضور[3] خداوندی ہوتا ہے۔ اپنی تعظیم سے بلکہ اپنے کو موجود کہنے سے شرم آتی ہے اور جس قدر حضور میں ترقی ہوگی اس کیفیت میں ترقی ہوتی جائے گی۔ چنانچہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ اعلم باللہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ انا[4] اعلمکم باللہ

---

[1] اے حق تعالیٰ سے غفلت کرنے والے تو بھی اس گاؤں میں ایسا ہی ہے کہ اپنے اوپر کوئی نہ کوئی عہدہ و منصب قائم کئے ہوئے یعنی جب ہوش آئیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ بھی نہیں

[2] کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے مشاہدہ کے وقت صرف وہی ایک وجود معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر چیز کا وجود گو وجود تو ہے مگر اُن کے سامنے مثل نہ ہونے کے معلوم ہوتا ہے۔ [3] بارگاہِ ذات و صفات کے حضوری [4] میں تم سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوں۔

Marfat.com

(۱۸۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور اسکا راز اور صحابہ کا ادب

آپ کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے کہ باوجود آپ کے سرور عالم ہونے کے کس قدر سادگی آپ کے ہر ہر انداز میں تھی۔ بیٹھنے میں کبھی آپ نے کوئی ممتاز جگہ نہیں بنائی۔ حتیٰ کہ لوگ زیارت کو آتے تو صحابہ سے دریافت کرتے مَنْ مُحَمَّدٌ[1] فِیْکُمْ صحابہ جواب دیتے ہیں کہ ھٰذَا الْاَبْیَضُ الْمُتَّکِئُ۔ یہ جو گورے گورے سہارا لگائے بیٹھے ہیں اور سہارا لگانے کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ حضور کوئی گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھے تھے۔ عربی محاورہ میں ہاتھ پر سہارا لگانے کو بھی اتکا[2] کہا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ تکیہ وغیرہ ہی ہو چلنے میں یہ حالت تھی کہ ہمیشہ ملے جلے چلتے تھے آخر کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ آپ کی شان یہ ہے کہ ؏

بعد[3] از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بات یہ تھی کہ حضورؐ کو ذات باری کی عظمت ہمیشہ پیش نظر تھی غرض آپ کے کسی انداز سے بھی امتیاز اور بڑائی کی شان نمایاں نہیں ہوتی اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ جب حضورؐ مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ کے لوگ حضورؐ کو پہچان نہیں سکے حضرت صدیق اکبر سے مصافحہ کرتے تھے کیونکہ اُن کے کچھ بال پک گئے تھے حضرت صدیق اکبر کا ادب دیکھیے کہ برابر خود ہی مصافحہ کرتے رہے اور حضورؐ

---

[1] تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سے ہیں [2] سہارا لگانا [3] مختصر بات یہ ہے کہ بس اللہ کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔

Marfat.com

کو تکلیف نہیں ہونے دی۔ اسی طرح دوسرے صحابہ بھی خاموش دم بخود بیٹھے رہے کیونکہ سب حکیم تھے اگر آجکل کوئی شیخ مجلس کے سوا غلطی سے کسی دوسرے سے مصافحہ کرلے تو جملہ حاضرین غل چچا شروع کردیں اور جس سے مصافحہ کیا ہے تو اُس کی تو ایسی بُری گت بنے کہ الامان حتیٰ کہ جب دھوپ آئی اور حضورؐ کے جسمِ مبارک پر شعاعیں پڑنے لگیں تو حضرت صدیق اکبرؓ کپڑا تان کر کھڑے ہو گئے اس وقت حاضرین نے پہچانا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہیں۔ اسی طرح ایک مقام پر ارشاد ہے اِنِّیْ اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ میں غلام کی طرح کھاتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑ کر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ صاحبو! یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ اس کی قدر اس وقت ہوگی کہ جب اپنے اوپر یہ کیفیت غالب ہو اور یہی راز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کھانا کھاتے میں کوئی لقمہ گر جائے تو مٹی صاف کر کے کھا لو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا جلدی جلدی تناول فرمایا کرتے۔ آج اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح کھاتا ہے کہ گویا کبھی اس کو کھانے کو نہیں ملا وجہ یہ ہے کہ جو چیز حضورؐ کو پیشِ نظر تھی ہم اس سے محروم ہیں۔ صاحبو میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی والیٔ ملک کسی معمولی سے آدمی کو بلا کر حلوا کھانے کو دے اور کہے میرے سامنے بیٹھ کر کھاؤ تو ذرا غور کیجئے کہ یہ شخص کس طرح کھائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس

لہ جسم ملکہ کامل حضوری پر تو بندہ کا آقا کے سامنے بیٹھ کر کھانا ہے بہت سکڑ کر نعمت کے ادب اور انتہائی عزت سے ہوگا۔ اس طریقہ کو برا سمجھنے سے ایمان کا خطرہ ہے احتیاط رکھئے۔

Marfat.com

کے ہر لقمہ کا اندازہ یہ ہوگا کہ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ بڑی رغبت اور شوق سے کھا رہا ہے اور یہی انداز اس وقت محبوب ہے اس کو طمع[1] کہنا ہرگز درست نہیں اور اگر فرض کرو کہ یہ طمع ہی ہے تو سمجھ لو کہ ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں ۔۔۔ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

ع ہر عیب[2] کہ سلطان بہ پسندد ہنر ست ۔ اور اگر کھاتے ہوئے کوئی لقمہ اس کے ہاتھ سے گر جائے تو یہ کیا کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کو اٹھائے گا اور صاف کر کے کہا جائے گا۔ علیٰ ہذا یہ بھی سوچا کہ بادشاہ کے سامنے کس انداز سے بیٹھ کر کھائے گا۔ کیا اسی طرح جیسے اپنے گھر میں بیٹھ کر کھاتا تھا۔ کبھی نہیں بلکہ نہایت ادب سے بیٹھ کر کھائے گا۔ تو جب شاہان دنیا کے سامنے ان تینوں باتوں کا لحاظ ضروری ہے تو کیا خداوند عزوجل و علا کے سامنے ضروری نہیں۔ آجکل کی تہذیب نری لفاظی رہ گئی ہے۔ جس میں اصل حقیقت کا نام و نشان بھی نہیں ہے بہتر ہے کہ اس میں ہ کی جگہ عین بدل دیا جائے کہ اسم[3] بھی مسمّٰی کے مطابق پڑے۔

(۱۹۰) ظاہری افعال کا اثر بھی باطن پر پہنچتا ہے۔

اور صاحبو حضورؐ نے کھانے کے آداب کی تعلیم جو فرمائی اس کی وجہ یہ ہے

---

[1] لالچ [2] جب بادشاہ دین ہم سے طمع و لالچ ہی چاہیں تو اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک ہوگی [3] جو عیب بھی کہ بادشاہ اس کو پسند کرلے وہی ہنر ہے۔

[4] نام بھی نام والی چیز کے موافق ہو جائے۔ تہذیب کی جگہ تعذیب (عذاب دینا) ہو کیونکہ یہ تہذیب جدید تکلیف دینے والی ہی ہے۔

Marfat.com

کہ جس طرح باطنی حالات کا اثر ظاہری اعضا پر پڑتا ہے یوں ہی ظاہری ہیئت کا اثر بھی انسان کی اندرونی حالت تک پہنچتا ہے اگر ظاہری ہیئت پر رعونت[1] تکبّر برستا ہے تو دل تک بھی اس کا چھینٹا ضرور پہنچے گا اور یہ ظلمت[2] دل میں ضرور پیدا ہونا شروع ہوگا۔ اور اگر ظاہری حالت منکسرانہ ہے تو دل میں بھی انکسار خشوع[3] تذلل کے آثار نمایاں ہوں گے اور سبب اس کا یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کیا اور راہ سنت پر گام زن ہوا اس نے کسی قدر قرب کا قصد کیا اور وعدہ ہے کہ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَّمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا کہ جو میری طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے میں اس کی طرف بہت سا بڑھ جاتا ہوں اور ظاہر ہے کہ خدا کا قرب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ قرب باطنی میسّر ہو جائے تو لازم آگیا کہ درستی ظاہر سے قرب باطنی نصیب ہوتا ہے۔ مولانا[4] اسی کو فرماتے ہیں۔ ؎

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

وہ پانی ہے کہ پیاسے کنوئیں ڈھونڈھے نہیں ملتا بلکہ وہ خود پیاسے تک پہنچتا ہے بشرطیکہ پیاس ہو۔ وہ یہ نہ خدا پر بار نہیں ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کے سر مڑھیں

---

[1] عزور سے بُری عادت جو دل میں گڑی ہوئی ہے [2] عاجزی اور ناچیز ہونا۔

[3] جو میری طرف ایک بالشت قریب آئے گا میں اس کی طرف ایک ہاتھ آؤں گا اور جو میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوگا۔ میں اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہوں گا [4] پیاسے لوگ اگر دنیا سے پانی ڈھونڈتے ہیں تو پانی دنیا میں پیاسوں کو ڈھونڈھتا ہے۔

Marfat.com

ارشاد ہے۔ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ یعنی کیا ہم رحمت کو تمہارے سر مڑھ دیں باوجودیکہ تمہارے دلوں میں اس سے کراہت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو اس قدر خشوع خضوع بڑھا ہوا تھا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ ذات خداوندی حضورؐ کو ہر وقت پیش نظر تھی۔

(۱۹۱) عبدیت[1] و نیز عقلی مصلحت کا بھی یہی مقتضا ہے کہ عَلَل[2] سے سوال نہ کیا جائے

اور جب یہ ہے تو ہم کو بھی سنکر بس یہی چاہیئے کہ ؎

زبان[3] تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو

اور قطع نظر اس کے کہ یہ مقتضاء عبدیت کا ہے ہمارے لیے مصلحت عقلاً بھی یہی ہے اور اگر واقعی یہ کاوش ہمارے لیے مضر نہ ہوتی تو حضور ہم کو اجازت دیتے ممانعت نہ فرماتے حالانکہ حضور نے صاف ممانعت فرمائی۔ دیکھئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ حضورؐ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور جن کی فطرتیں بالکل سلیم تھیں۔ جب ان حضرات نے مسئلہ[4] قدر میں گفتگو کی تو حضورؐ

---

[1] بالکل بندہ ہونے کا۔ [2] علتوں اور حکمتوں کی وجہوں کا [3] زبان کو آپ کی ذات وصفات کے اقرار سے تازہ رکھنا ہے اور آپ کے کاموں کی وجہوں کو نکالنا نہیں ہے

[4] تقدیر کے مسئلہ کی باریکیوں میں۔

Marfat.com

نے بالکل روک دیا اور بہت خفا ہوتے اور فرمایا کہ اگلی قومیں اسی کھود کرید کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

(۱۹۲) احکام شرعیہ میں کھود کرید کرنے کے مضر ہونے کا رازانہ

اور مضر ہونے کا سبب یہ ہے کہ جس طرح بہت سے امور استدلال سے حل ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں استدلال کا گذر نہیں ان کے لیے مشاہدہ اور معائنہ کی ضرورت ہے اور وہ ہم کو نصیب نہیں تو ایسی باتوں میں لِمَ[1] کَیْفَ کرنے کا بدیہی نتیجہ ہے کہ ہم تباہ ہوں اور خَسِرَ[2] الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ہماری حالت ہو مجھے اس کے مناسب ایک حکایت یاد آئی۔

حکایت:۔ مشہور ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے نابینا استاد کی دعوت کی اور کہا کہ میں آپ کو کھیر کھلاؤں گا۔ استاد صاحب نے چونکہ کھیر نہ کبھی دیکھی تھی نہ ابھی تک کھانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے لڑکے سے پوچھا کہ بھائی کھیر کیسی ہوتی ہے لڑکے نے جواب دیا کہ کھیر سفید ہوتی ہے۔ استاد نے کہا سفید کس کو کہتے ہیں اس نے کہا جیسے بگلہ مگر استاد صاحب نے کبھی بگلہ بھی نہ دیکھا تھا اس لیے اس کی بابت بھی پوچھا اس نے ہاتھ سے بگلے کی ہیئت، بتائی۔ استاد صاحب نے ہاتھ سے مس[3] کر کے دیکھا تو فرمانے لگے بھائی یہ کھیر تو بہت ٹیڑھی ہے۔ کیسے

---

[1] کیوں۔ [2] کیسا سے دُنیا اور آخرت میں ٹوٹے میں رہا۔ [3] چھو کے۔

Marfat.com

کھاؤں گا تو جیسے اس نابینا کے سمجھنے کی غلطی کی وجہ یہی تھی کہ معائنہ کی چیز کو بیان سے سمجھنا چاہتا تھا۔ یہی حالت ہماری بھی ہے۔

(۱۹۳) اسرار احکام پر اطلاع کا حقیقی طریقہ

ہاں اگر سمجھنا چاہو تو اوّل قلب میں نور پیدا کرو خود بخود یہ کیفیات پیدا ہوں گی اور ہر چیز کی سینکڑوں حکمتیں نظر آنے لگیں گی۔ دیکھو اگر کوئی معمولی شخص کسی والی ملک سے کہے کہ مجھے اپنے خزانے کے جواہرات دکھادو تو اس کی سخت غلطی ہے۔ اور کبھی یہ شخص کامیاب نہیں ہوسکتا۔ البتہ کامیابی کی یہ صورت ہے کہ پہلے صاحب جواہرات سے ایک خاص تعلق پیدا کرے۔ اور اس کے خواص میں داخل ہو جائے۔ اس کے بعد بغیر درخواست ہی کبھی وہ مہربان ہوگا تو خود دکھلا دے گا اسی کو کہتے ہیں۔ ؎

بینی اندر خود علوم انبیا — بے کتاب و بے معید و اوستا
علم چوں بر تن زنی مارے بود — علم چوں بر دل زنی یارے بود

تو دل پر مؤثر بناؤ اس کے بعد دیکھو کن علوم کا انکشاف ہوتا ہے اب لوگ

لہ دیکھی جانے والی سے شریعت کے حکموں کے رازوں پر سے اپنے اندر انبیاء کے جیسے علم دیکھ لو گے۔ بغیر کتاب کے بغیر تکراری کے۔ بغیر استاد کے سے علم کو جب تم بدن پر اثر ڈالنے والا کرو گے تو ایک سانپ بن جائے گا۔ اور علم کو جب دل پر اثر ڈالنے والا بناؤ گے تو مددگار بن جائے گا۔

Marfat.com

چاہتے ہیں کہ ساری باتیں استاد کے سامنے بیٹھ کر حل کر لیں۔ حالانکہ یہ محض فضل خداوندی سے ہوتا ہے۔ اور وہ بھی جب کہ خدا تعالیٰ چاہیں کہ فضل اسی[1] خاص طریقہ سے ہو

(۱۹۴) بعض کے لیے اسرار پر اطلاع نہ ہونا ہی خیر اور مصلحت ہے

اور اسی طرح احوال کا نہ ہونا بھی

کیونکہ کبھی کسی خاص شخص کے بارے میں یہی فضل ہوتا ہے کہ اس کو اسرار پر مطلع نہ کیا جائے جیسا کہ بعض کے لیے مطلع ہونا فضل ہوتا ہے۔

اور وجہ اس فرق کی یہ ہے کہ بعض آدمیوں کو جو کچھ اسرار معلوم ہونے لگتے ہیں تو ان کو ناز ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض بعض اپنے کو اکابر کی برابر سمجھنے لگتے ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے یہی مناسب ہے جب ہر ایک کے لیے مصلحت جدا ہے تو خود کچھ بھی تجویز نہ کرے[2] سہ

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اسی واسطے یہ مذہب ہے کہ بلا اختیار جو کچھ وارد بھی ہو اسی میں خوش رہو۔

---

[1] پڑھنے پڑھانے سے [2] نہ معلوم ہونا [3] تم فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی نہ کیا کرو۔ کیونکہ ہمارا آقا تو خود بندگی والوں کی پرورش کا طریقہ جانتا ہے۔ جو مناسب ہوگا عطا کرے گا [4] دل پر جو کیفیت و حالت وارد ہو۔

Marfat.com

اور خود ہرگز کسی خاص وارد کی خواہش نہ کرے گویا یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ

بدہ[1] و دصاف[2] ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

اگر دردی[3] پلائیں تب بھی اسی ذوق سے پینا چاہیئے جس طرح صاف پی جاتی ہے کیونکہ اس میں بھی کوئی حکمت ضرور ہے۔

(۱۹۵) مگر ہم کو عبدیت کی حیثیت سے کسی مصلحت کی بھی طلب نہ چاہیئے

بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر خلاف مصلحت بھی ملتا تب بھی ہم کو دم مارنے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ ہم کو اس نیت کی بھی مجال نہیں کہ یہ ہمارے لیے مصلحت ہے۔ کیونکہ آخر ہم ہیں کیا چیز کچھ بھی نہیں جو کچھ ملے جتنا ملے جس طرح ملے سب ان کا احسان ہے۔

حکایت:۔ مشہور ہے کہ حضرت لقمان نے کسی شخص کے ہاں باغبانی کی نوکری کی ایک روز وہ باغ میں آیا اور اُن سے کہا کہ ایک ککڑی لے کر آؤ آپ ایک ککڑی لائے آقا نے اس کو چکھ کر اس کی قاشیں کیں اور اول

---

[1] پھیکا اور صاف دیکھنے کا تم کو حکم نہیں۔ بس پی جاؤ۔ کیونکہ ہمارے ساقی نے جو کچھ پیالے میں ڈالدیا ہے وہ لطف ہی لطف ہے۔

[2] پھیکا اور گاد جو کچھ ملتا ہے مصلحت ہے۔ یہ بھی خیال کرنا کہ واقع میں تو حق نہیں۔

Marfat.com

ایک قاش حضرت لقمان علیہ السلام کو دی آپ نے لے کر کھا گئے۔ اس کے بعد جو آقا نے کھائی تو معلوم ہوا کہ بالکل کڑوی ہے۔ اس نے حضرت لقمان سے کہا کہ تم نے یہ تلخ ککڑی کھالی کیوں نہیں کہا یہ تلخ ہے۔ یہ حضرت لقمان فرماتے ہیں کہ جس ہاتھ سے ہزارہا دل شیریں چیزیں کھایا کرے اگر ایک دفعہ تلخ بھی مل جائے تو شکایت نہیں کرنی چاہیئے۔ ؎

آں کسا کہ بجائے تست ہر دم کرمے　　عذرش بنہ ار گہے بہ بینی ستمے

پس اگر کبھی ہماری مصلحت کے خلاف بھی ادھر سے برتاؤ ہو تو بھی ہمارے ادب میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ صاحبو عاشق تو ہر حالت میں عاشق ہی رہتا ہے۔ کیا لوگوں کے خیال میں خدا سے برادری کا سا تعلق ہے کہ اس کی کاوش کی جاوے۔ دیکھیے عشاق کو تو جان جان کر ستایا جاتا ہے۔ مگر وہ یہی کہتا ہے۔ ؎

ناخوش تو خوش بود بجانِ من　　دل فدائے یار دلجانِ من

غرض جو شخص اپنی تربیت چاہتا ہے اور اس کو اسرارِ شریعت پر مطلع ہونے کی ہوس ہے تو اپنے اندر یہ کیفیت پیدا کرے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

سلہ جس شخص کے ہر وقت تم پر کرم ہی کرم ہیں تو تم اس کا عذر قبول کرو۔ اگر کبھی کوئی تکلیف دیکھو۔

سلہ تمہاری طرف سے ناپسند چیز بھی میری جان کے لیے پسند ہی پسند ہے دل دکھانے والے محبوب پر دل فدا ہو چکا ہے سلہ نور میں نور۔

Marfat.com

(۱۹۶) اصلاح باطن بدرجہ کمال نہ ہونے پر قدر ضروری کو تو نہ چھوڑے

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب کیا ہم جنید بغدادیؒ بن جائیں میں کہتا ہوں کہ صاحب آپ جنید بغدادیؒ نہ بنیں۔ لیکن یہ بھی تو نہ ہو کہ بالکل نکمے رہیں غور کیجیے آپ جنید بغدادی کی برابر تو کسی بات میں بھی نہیں، مثلاً ایک نماز ہی ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں جنید بغدادی کی برابر نماز پڑھتا ہوں ایک بزرگ کی یہ حالت تھی کہ ایک رات قیام کی نیت کی ہے تو نیت باندھ کر ساری رات کھڑے ہی گذار دی ایک رات رکوع کے لیے تجویز کی ہے تو تمام رات رکوع ہی میں ختم ہو گئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ افسوس رات بہت جلد ختم ہو جاتی ہے دل نہیں بھرتا یہ حالت تھی کہ ؎

نہ آیا وصل میں بھی چین ہم کو ۔۔۔ گھٹا کی رات اور حسرت بڑھا کی

بس جب کسی حالت میں بھی ہم ان کے برابر نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم کسی بات کو چھوڑ نہیں دیتے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ روزہ بھی رکھتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ گندم[1] اگر بہم نہ رسد جو غنیمت است تو جب ساری چیزیں ہم میں ادنی درجہ کی ہیں تو یہ حالت بھی ادنی درجہ کی سہی۔

---

[1] رات ختم ہونے کے قریب پہنچی ہوگی۔ تب باقی نماز پوری کر دی۔ شوق کی شدت میں یوں بے خودی ہوتی ہے۔

[1] اگر گندم نہ مل سکے تو جو بھی غنیمت ہے۔

Marfat.com

(۱۹۷) اہل اللہ سے تعلق کی ضرورت

اور اس کا طریق یہی ہے کہ کسی صاحب باطن سے تعلق پیدا کیا جائے اگر صحبت ممکن ہو تو بہت ہی خوش قسمتی کی بات ہے۔ لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم مراسلت تو ضرور رکھنی چاہیئے۔ اور ان پر اپنا پورا حال ظاہر کر کے علاج کی تدبیر دریافت کیجئے۔

(۱۹۸) اپنی رائے سے کوئی کام نہیں ہوتا دینی ہو یا دنیوی۔

صاحبو اگر اپنی رائے سے کوئی شخص اپنی اصلاح کی تدبیر سوچ کر چار گنٹے اس میں مشغول رہنے کے لیے مقرر کر لے تو اس میں وہ بات حاصل نہ ہو گی جو کسی ماہر کی تجویز پر نصف گھنٹہ عمل کرنے میں حاصل ہو جائے گی مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بخار میں مبتلا ہوا ایک طبیب سے رجوع کیا انہوں نے نسخہ تجویز کر دیا جس کے استعمال سے چند روز میں فائدہ ہو گیا۔ میں نے اس نسخہ کو مفید دیکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھا۔ اتفاق سے دوسرے برس پھر کچھ شکایت ہوئی تو میں نے اسی نسخہ کو مذکر استعمال کیا۔ لیکن کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد آخر پھر اسی طبیب سے رجوع کیا۔ اور ان کے تجویز کردہ نسخہ سے صحت ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اول حکیم صاحب کی زبان میں یا قلم میں کوئی خاص اثر رکھا تھا کہ دفعت

لہ خط و کتابت۔

اس پر موقوف تھی۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ نسخہ کی تجویز میں جس طرح مریض کے مزاج کی رعایت کی جاتی ہے۔ زمان اور مکان کی رعایت بھی کی جاتی ہے۔ یعنی ایام ربیع میں ایک نسخہ تجویز کیا جاتا ہے تو ایام خریف میں دوسرا۔ کیونکہ دونوں موسموں کے مزاج بالکل الگ الگ ہیں۔ اسی طرح سرد ملک میں جو دوا مفید ہوگی گرم ملک میں اس کا مفید ہونا ضروری نہیں ہے۔ تو جیسے بدن کے امراض میں محض اپنی تدبیر اور رائے مرض کے زوال کے لیے کافی نہیں ہے۔ یوں ہی نفسانی امراض میں بھی ہوتا ہے۔ اور کہتا ہوں کہ اہلِ اللہ کی زبان میں بھی اثر ہے۔

(۱۹۹) اہل اللہ سے تعلق رکھنے کے متعلق وساوس کا رفع

اور اہل اللہ سے تعلق رکھنے کو جو کہتا ہوں کوئی شخص میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھے کہ میں نوکری کرنے یا تجارت میں لگنے کو منع کرتا ہوں اور ترک تعلقات کی رائے دیتا ہوں ہرگز نہیں۔ بلکہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کسی اہل دل سے وابستگی پیدا کیجیے۔ صاحبو یہ حضرات نہایت ذی عقل ہوتے ہیں۔ ان کو دین کی عقل کے ساتھ دنیا کی بھی عقل کامل ہوتی ہے۔ ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ وہ اس وابستگی کے بعد تم کو تمہارے اہل و عیال سے چھڑا دیں گے ہمارے حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ سے جب کوئی خادم عرض کرتا کہ حضور جی چاہتا ہے ملازمت چھوڑ دوں تو فرماتے کہ بھائی ایسا نہ کیجو۔ نوکری بھی کرو اور خدا کی یاد میں بھی لگے رہو اور وجہ اس کی ممانعت کی یہ تھی کہ جانتے تھے کہ قلب

Marfat.com

ہیں قوت[1] توکل ہے نہیں ظاہری سہارے کو چھوڑ کر خدا جانے کن مصیبتوں میں پھنس جائے اور حالت کیا سے کیا ہو جائے۔ اکثر دل کو ایسے واقعات پیش آئے کہ انہوں نے معاش کی تنگی کی وجہ سے نصرانیت یا یہودیت کو اختیار کیا۔ بعض کے دل میں خدا کی شکایت پیدا ہو گئی اور وہ یوں دین سے برباد ہو گئے تو اگر اپنی نوکری پہ لگے رہیں گے تو زیادہ سے زیاد، کسی معصیت ہی میں مبتلا ہوں گے۔ کفر و شرک سے تو بچے رہیں گے۔ پس یہ حضرات چونکہ اچھا[2] طرف نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے بقاعدہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما کبھی ضعفا کو ترک تعلقات کی رائے نہیں دیتے اور جن لوگوں کو گوشہ نشینی اور ترک تعلقات کا حکم انہوں نے کیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جن کو انہوں نے پورے طور سے جانچ لیا ہے اور دیکھ چکے ہیں کہ ان کی قوت توکل کامل ہے ایسوں کے لیے نہ ترک تعلق کی ترغیب مضر تھا اس پر عمل کرنا نقصان دہ تو اہل اللہ سے تعلق پیدا کرتے ہوئے اس کا بالکل خوف نہ کیجئے وہ انشاء اللہ آپ کے قصد ترک پر بھی نہ چھوڑنے دیں گے۔[3]

---

[1] اللہ پر بھروسہ کے اعلیٰ درجہ کی قوت جس میں سب ذریعے اور اسباب ترک کئے جاتے ہیں وہ ایسی قوت پر ہیں کہ خواہ کچھ بھی گذرے دل میں کسی برے خیال کا واہمہ بھی نہ ہو سکے۔ بغیر ایسی قوت کے توکل کا یہ درجہ جائز نہیں پھر وہی درجہ واجب ہے جو سبب پہ واجب ہے۔ کہ ذرائع حاصل کریں۔ اور پھر خدا پر بھروسہ کریں۔ [2] جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو وہ ہلکی کو اختیار کرے [3] جب اعلےٰ توکل کی قوت نہ پائیں گے۔

Marfat.com

(۲۰۰) اپنی عقل رہبری کے لیے کافی نہیں

غرض یہ ہے کہ نری عقل سے اسرار کو دریافت کرنے کی فکر بے سُود ہے اس کی تمنا ہے تو خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا کرو دیکھو تجربہ کاروں کا قول ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

کہ اوّل ہم نے عقل سے کام لیا وہ تھوڑی دور چلی مگر تھک کر رہ گئی آخر اس کو چھوڑا اور دیوانگی اور عشق کا دامن پکڑا۔ اس نے منتہا[1] تک پہنچا دیا اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ عقل بالکل بیکار ہے۔ عقل کارآمد ضرور ہے۔ لیکن ایک حد تک کام دیتی ہے۔ اس کے بعد معطل ہو جاتی ہے۔ عقل کی حالت گھوڑے کی سی ہے۔ دیکھو اگر کسی کا محبوب ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور یہ عاشق اس کے پاس پہنچنا چاہے۔ اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو ظاہر ہے کہ گھوڑا دامن کوہ تک پہنچ کر عاجز ہو جائے گا۔ آگے جہاں سے پہاڑی زینہ شروع ہوا ہے وہاں گھوڑا نہیں چل سکتا۔ اب اگر یہ عاشق آگے بھی جانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے بجز اس کے کہ ع وز آنجا[2] ببال محبت پری یعنی عشق کا جوش اپنے اندر پیدا کرے اور راہ طے کرتا چلا جائے۔ غرض عقل سے کام لینا چاہیئے۔ لیکن صرف اس قدر کہ فلاں شخص مقتدا بنانے کے قابل ہے اور فلاں شخص نہیں۔ مریض کو عقل سے کام لینا ہے۔ لیکن محض انتخاب معالج میں کیونکہ ایسا نہ کرے گا تو

---

[1] آخر [2] اور وہاں سے محبت کے پروں کے ذریعہ پرواز کرو۔

Marfat.com

کثرت[1] مدعیان طبابت سے وہی حالت ہوگی کہ ؎

شد[2] پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

مگر انتخاب کے بعد پھر جون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ جس رستہ معالج ڈال دے اس پر بے خوف و خطر چلا جائے۔ ورنہ اگر وہاں بھی این[3] چون ست و آں چرا ست سے کام لیا تو ایک قدم بھی نہ سرک سکے گا اور صدہا الجھنیں پیش آئیں گی اس لیے کہ معمولی عقل کبھی ایک فتوے پر قائم نہیں رہتی۔ صبح کچھ رائے دیتی ہے شام کو کچھ اور دن کو کچھ رات کو کچھ۔ بعضوں کو دیکھا ہے کہ آج اہل سنت و جماعت میں داخل ہیں۔ کل تشیع پر مائل ہیں۔ صبح کو قدری[4] ہیں۔ شام نہیں ہوئی کہ جبری بن گئے۔ یہ انقلاب اور تبدیلیاں اسی باعث ہیں کہ عقل ایک ٹھکانے نہیں رہنے دیتی در[5] بدر خاک بسر پھراتی ہے گویا اس کی یہ حالت ہے۔

بیزارم[6] از آں کہنہ خدائے کہ تو داری ہر روز مرا تازہ خدائے دگرے ہست

حکایت:۔ ابن العربی کا ایک خط اپنی کشکول میں علامہ بہاؤ الدین عاملی نے نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے ایک معاصر عالم کو لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے

---

[1] طبیب ہونے کے دعوے داروں کی بہتات کی وجہ سے [2] میرا خواب بہت بہت تعبیروں کی وجہ سے پریشان ہو گیا۔ حل نہ ہو سکا۔ [3] یہ کیسے ہے اور وہ کیوں ہے۔ [4] جو انسان کی خود کی ہر کام پر قدرت مانتے ہیں اور اس کو اپنے افعال کا پیدا کرنیوالا مانتے ہیں اور جبری وہ جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں [5] ہر ہر در پہ سر پہ خاک ملے [6] میں اس پرانے خدا سے جسے تم رکھتے ہو بیزار ہوں۔ میرے واسطے تو ہر دن ایک دوسرا تازہ خدا ہے۔

Marfat.com

سنا ہے کہ آپ ایک روز بیٹھے رو رہے تھے۔ آپ کے کسی شاگرد نے وجہ پوچھی تو آپ نے وجہ بیان کی کہ میں اتنے سال سے ایک دعوے کو دلیل عقلی سے صحیح سمجھے ہوئے تھا۔ آج ایک مقدمہ اس دلیل کا مخدوش ثابت ہوا تو میں اس لیے رو رہا ہوں کہ اتنے زمانے تک جہل میں مبتلا رہا۔ اور اب بھی اطمینان نہیں کہ جواب ثابت ہوا وہ بھی صحیح ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ تم نے اپنے علم ظاہری کی قوت دیکھی اب چاہیئے کہ دوسرا علم حاصل کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت اور دوام ذکر اختیار کرو۔ بس اس قسم کا مضمون لکھا ہے۔ امام رازی اتنے تبحر کے بعد جب کہ ان کو کچھ حقیقت شناسی کا ذائقہ نصیب ہوا اس وقت یوں کہتے ہیں۔ ؎

نہایۃ اقدام العقول عقال — وغایۃ سعی العالمین ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوی ان جمعنا فیہ قیل یقال

کہ ساری عمر کے مباحث اور علوم کا نتیجہ جو اخیر میں کھلا تو یہ تھا کہ قیل کذا! وقال فلان کذا!۔

(۲۰۱) شیخ کامل کی علامات اور اس کے انتخاب کا طریقہ

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ انتخاب جو کیا جائے۔

لہ علم کا دریا ہونے کے باوجود بڑے بڑے عقلوں کے قدموں کی انتہا صرف ایک باندھنے کی رسی ہے اور تمام جہانوں کی کوششوں کا آخیر گمراہی ہے اور ساری عمر کی بحث سے ہم کو اس کے سوا کچھ فائدہ نہ ملا۔ کہ بس ہم نے یہ جمع کر لیا کہ یہ کہا گیا ہے اور یہ جواب دیا گیا ایسے کہا گیا اور فلاں نے ایسے جواب دیا۔

Marfat.com

تو کس معیار پہ کیا جائے کیونکہ آج کل عوام الناس نے عجیب و غریب معیار تراش رکھے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کا دربار نہایت عالی ہو۔ لوگوں کی آمد و رفت اس کی طرف زیادہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بزرگ ہے۔ خصوصاً اگر امراء اور رؤسا کی جماعت بھی ادھر مائل ہو تب تو گویا ان کی بزرگی پر مہر ثبت ہو گئی۔ حالانکہ میں نے ایک نہایت کامل اور ماہر فن جامع شریعت و طریقت شیخ سے سنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس درویش کے پاس زیادہ تر دنیا داروں کا ہجوم ہو اور علماء و صلحاء کا ہجوم کم ہو تو تم ادھر متوجہ نہ ہو کیونکہ دنیا داروں کا گرنا اور دینداروں کا پرہیز اس درویش کے نقص کی دلیل ہے اس لیے الجنس[1] یمیل الی الجنس کبھی کبھی باز تو وہ درویش بھی دنیا دار ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک معیار بزرگی اس کے علاوہ ایک اور دوسرا امر ہے اور وہ اس سے ذرا دقیق[3] ہے وہ یہ ہے کہ اکثر کم سمجھ یوں سمجھتے ہیں کہ جس شخص میں کشف و کرامات زیادہ ہو خوارق[4] کا صدور اس سے زیادہ ہوتا ہو وہ سب سے بڑا بزرگ ہے حالانکہ یہ معیار بھی بالکل لغو ہے۔ کیونکہ کشف و کرامات کا صدور کثرت ریاضت و مشاق و صحت قوائے جسمانی و نفسانی پر موقوف ہے۔ جس میں سب باتیں جمع ہوں گی۔ اسے کشف ہونے لگے گا۔ اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ ایسے واقعات بکثرت سننے میں آئے اور نہ بھی سنتے تب بھی یہ بات ظاہر تھی دیکھو وجا جو کہ مدعی الوہیت[5] ہو گا کیسے

---

[1] ہر جنس اپنے ہم جنس پر جھکتی ہے [2] کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کیساتھ اڑتا ہے۔
[3] باریک [4] معجزہ عادت کے برخلاف کام جو دوسرے لوگوں سے نہ ہو سکے [5] خدا کا دعویدار

Marfat.com

کیسے شعیدے اس سے ظہور پذیر ہوں گے۔ بارش تک کر کے دکھا دے گا زمین کے خزانے اس کے ہمراہ چلیں گے پس ظاہر ہوا کہ خوارق کا صدور بھی صحیح معیار نہیں اب صحیح معیار دریافت کرنے کیلئے اوّل یہ سمجھو کہ انسان کیلئے سب سے بڑا کمال اس کی وہ حالت ہے جس کے لیے اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کشف و کرامت کے لیے انسان کو دُنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو دنیا میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی عالم ارواح میں اس پر بہت کچھ منکشف تھا۔ نیز مرنے کے بعد کافر تک کو بہت سے مغیبات منکشف ہو جائیں گے ارشاد ہے وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ۔

(۲۰۲) حق تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں صرف عبدیت ہی کیلئے بھیجا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ دنیا میں اس کو کسی دوسری بات کے حاصل کرنے کو بھیجا گیا ہے اور وہ حالت عبدیت ہے۔ یعنی دُنیا میں انسان کو اسلئے بھیجا ہے کہ وہ امتثال اوامر و نواہی کر کے عبدیت حاصل کرے کیونکہ جب تک اس عالم میں نہ آیا تھا تو محض رُوح تھا اور روح بوجہ مجرد ہونے کے نہ قیام پر قادر تھی۔ نہ قعود پر نہ رکوع پر نہ سجود پر تو روح کو اس عالم میں وہ ترقی کہ ناجو ان عبادات[2] خاصہ

---

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وہ وہ باتیں ظاہر ہوگئیں جن کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔

[2] نماز روزہ، حج زکوٰۃ تلاوت وغیرہ دوسرے نفس و شیطان سے مقابلہ کر کر کے کرنا ہے۔ جو یہ مقابلہ عبادت سے زیادہ سخت اور زیادہ افضل ہوتی ہے اور یہ مقابلہ وہیں ہو سکتا تھا۔ جہاں انکی بدیاں ہو سکتی تھیں۔ اس کے لیے دنیا ہے آخرت نہیں۔

Marfat.com

پر موقوف ہے ممکن نہ تھا۔ اور یہ صفت عبدیت[1] بکمالہا اس میں پیدا نہ ہوتی۔ اور جب صفت عبدیت مطلوب ہے تو جس کو اس[2] سے تعلق ہو وہ مطلوب ہوگا۔ اسی معیار کی نسبت مولانا روم علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں۔

کار مرداں روشنی و گرمی ست[3] کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

دو چیزیں اس شعر میں علامت کے طور پہ بیان فرمائی ہیں ایک روشنی دوسرے گرمی روشنی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں سے بیٹھے ہوئے کلکتہ اور بمبئی نظر آنے لگے بلکہ یہ معنی ہیں کہ دل میں عرفان اور علم حقیقی پیدا ہو جائے اور گرمی سے مراد محبت ہے حاصل یہ ہوا کہ جس کو محبوب حقیقی سے محبت ہو اور معرفت حاصل ہو وہ مرد ہے۔ لیکن محبت قلبی صفات میں سے ہے جس کا احساس نہیں ہو سکتا اس لیے اس کے کچھ لوازم[4] بیان کئے جاتے ہیں۔

(۲۰۳) محبت کے لوازم اور شیخ کامل کے صفات

سب جانتے ہیں کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے ایک تو اس کی یاد کسی وقت دل سے نہیں اترتی سوتے ہوئے خواب بھی دیکھتا ہے تو محبوب ہی نظر آتا ہے، اور دوسرے اس کے حکم کو گوش[5] قبول سے سنتا اور نہایت شوق

---

[1] پوری طرح بندہ بننے کی صفت [2] جس جس بات کو پورا بندہ ہونے سے [3] اللہ کے مردوں کا کام تو روشنی اور گرمی ہے۔ اور کمینوں کا کام مکاری و بے شرمی [4] لازمی باتیں جن سے ان کا ہونا معلوم ہو سکے [5] قبول کرنے کے کان سے۔

Marfat.com

سے آمادۂ امتثال[1] رہتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ عاشق سے محبوب کے کسی حکم میں بھول چوک یا نافرمانی کا ظہور ہو کیونکہ بھول ہمیشہ اس کام میں ہوا کرتی ہے جس کی جانب پوری توجہ اور التفات نہ ہو اور جو چیز ہر وقت دل پر مستولی[2] ہو اس میں بھول کا ہونا عادۃً[3] ممکن نہیں۔ اسی طرح نافرمانی اس کے حکم کی ہوتی ہے جس کی وقعت اور محبت دل میں نہ ہو جب ہر دم کی یاد اور کامل اطاعت علامت محبت سے ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قابل انتخاب وہ ہے جس کو روشنی علم و معرفت اور گرمی یعنی محبت خداوندی حاصل ہو تو خلاصہ مقتدا کی صفات کا یہ نکلا کہ اس کو بقدر ضرورت علم دین ہو اگرچہ وہ اصطلاحی مولوی نہ ہو دوسرے یہ کہ اس کو کسی شیخ کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہو کیونکہ گرمی امر مکتسب[5] نہیں بلکہ موہوب[6] امر ہے اور عادۃ اللہ ہے کہ وہ اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ کہ کسی گرمی والے کے پاس رہے اور اس کی ہدایت کے بموجب عمل کرے اور یہی وہ چیز ہے۔ جو سینہ بسینہ[8] چلی آتی ہے۔ نہ مولوی بن کر حاصل ہوتی ہے۔ نہ مورخ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ دنیا میں اس کے ماسوا بھی اکثر کام ایسے ہیں۔ جو سینہ بسینہ چلے آتے ہیں۔ مثلاً باورچی گری کا کام

---

[1] تعمیل پر تیار [2] مسلط اور غالب [3] جیسے عادت۔ معمول ہے [4] جس کی پیروی کی جائے یعنی پیر۔ [5] کوشش سے حاصل کی ہوئی۔ [6] بلا کوشش صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیز [7] اللہ تعالیٰ کا معمول [8] ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں بلاواسطہ تعلیم وغیرہ کے۔

Marfat.com

درزی کا کام کہ اگر کوئی سارہی خوانِ نعمت حفظ کرلے مگر جب تک کسی کامل استاد کے پاس نہ رہے تو اس کو باورچی گری نہیں آسکتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کتاب میں دیکھ کر کرتہ اچکن وغیرہ کی کاٹ تراش بالکل ازبر کرلے تو اس کو درزی کا کام نہیں آسکتا۔ تصوف کے سینہ بسینہ ہونے کے یہی معنی ہیں نہ یہ کہ اس کے مسئلے سینہ بسینہ ہیں کیونکہ مسائل تو تمام کتابوں میں مدون ہیں۔ بلکہ وہی ایک نسبت ہے جس کو گرمی سے تعبیر کیا ہے کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے۔ ایک صفت یہ ہے کہ وہ باعمل ہو یہ تو علامات کامل ہونے کے ہیں۔

(۲۰۴) شیخ کے مکمل ہونے کی علامات

اور مکمل ہونے کی علامات دوسری ہیں اور وہ بھی نہایت ضروری ہیں کیونکہ مریض کو اپنے مرض کو دور کرنے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ خود بھی تندرست ہو اور طبیب بھی ہو تو اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دل میں ایک سکون اور راحت پیدا ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت بڑھے۔ دنیا کی محبت کم ہو۔ اگر یہ باتیں فوراً نہ پیدا ہوں بلکہ کچھ دنوں کے بعد ہوں۔ دوسرے اگر اس سے اپنا مرض بیان کیا جاوے تو جواب سے تسلی نہ ہو معلوم ہو کہ ہمارے مرض کو بالکل سمجھ گیا۔ خوب کہا ہے ؎

لہ ایک کتاب کا نام ہے جس میں کھانے بنانے کی ترکیبیں ہیں۔ سلہ کامل بنانے والا یعنی اوپر جو علامتیں بتائی ہیں وہ تو خود اس کے کامل ہونے کی تھیں اب وہ ہیں جو دوسروں کو کامل بنا سکنے کی ہیں۔

Marfat.com

وعدۂ[1] اہلِ کرم گنجے بود۔ پس جب ایسا شخص میسّر ہو جاوے تو ضرور ہے کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے۔ اگرچہ اس سے بیعت نہ ہو کیونکہ بیعت ہونا چنداں ضروری نہیں ہے۔

(۲۰۵) بیعت موقوف علیہ سلوک[2][3] نہیں لیکن بیکار بھی نہیں

لیکن یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ بیعت بالکل بے سود ہے ایک صاحب کہنے لگے کہ بیعت بالکل بیکار ہے۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی کام کرے میں نے کہا کہ صاحب آپ نے کبھی علاج بھی کرایا ہے کہ نہیں کہنے لگے کہ بیشک ضرورت کے وقت علاج کرایا جاتا ہے میں نے پوچھا کہ کسی ایک طبیب سے رجوع کیا ہے یا اس طرح کہ آج ایک سے کل دوسرے سے پرسوں تیسرے سے کہنے لگے کہ کسی ایک طبیب کی طرف جس پر اطمینان ہوا رجوع کیا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس میں آپ نے کیا مصلحت دیکھی کہنے لگے کہ روز روز نئے طبیب بدلنے سے کسی ایک کو بھی توجہ اور شفقت مریض پر نہیں ہوتی کیونکہ کوئی ایک بھی اس کو اپنا مریض نہیں سمجھتا میں نے کہا کہ بس یہی حکمت اور نفع ہے بیعت ہونے کے بعد مرشد مرید کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ

---

[1] سخاوت والوں کا وعدہ خود ایک خزانہ ہوتا ہے [2] جس پر کوئی چیز موقوف ہو کہ بغیر اس کے نہ ہو سکے [3] اللہ تک پہنچنے کا اختیاری راستہ طے کرنا یعنی یہ راستہ بیعت پر موقوف نہیں۔ مگر بیعت بیکار بھی نہیں اس سے اور فائدہ ہے۔

Marfat.com

یوں کہتا ہے ؎ من غم تو میخورم تو غم مخور۔ مرید کو ہر وقت یہ تسلی رہتی ہے کہ میرا ایک شفیق میرے ساتھ موجود ہے اور مرشد کو یہ ناز ہوتی ہے کہ یہ میرا شخص ہے۔ یہ مصلحت ہے بیعت میں ہاں اگر نرے نذرانہ کی بیعت ہو تو کسی درجہ میں بھی مفید نہیں۔ آج کل یہ حالت ہے کہ بعضے فخر کرتے ہیں کہ میرے ایک لاکھ مرید ہیں۔ معاذ اللہ گویا ایک فوج جمع کی ہے۔ غرض اگر اس قسم کی پیری مریدی نہ ہو تو اس میں بہت نفع ہے۔

(۲۰۶) نسبت مع اللہ کی فضیلت

نسبت مع اللہ ایسی چیز ہے کہ جب یہ دل میں جگہ کر لیتی ہے تو خس و خاشاک ماسوا سب بہہ جاتے ہیں۔ بس نہ کوئی شبہہ باقی رہتا ہے۔ نہ مزاحم ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اور اس کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ ؎

؎ میں تیرا غم کھاتا اور اس کی تدبیریں کرتا ہوں۔ تو غم نہ کھا۔ فکر میں نہ پڑ ؎ اللہ کی پناہ نہ اتنے لوگوں کے حالات سن سکتا ہے۔ نہ تدبیر بتا سکتا ہے۔ نہ راہ پر چلا سکتا ہے۔ بس رب یا نام نمود کے لیے ہے۔ یہ دنیا لینے کے لیے مریدوں کا کام کچھ نہ بن سکا۔ ایسوں کے مرید کورے ہی رہتے ہیں ؎ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کہ ہر وقت دل میں اللہ ہی اللہ قائم رہے ؎ کوڑا کرکٹ دفع کرنے والا ؎ عشق تو وہ آگ کا شعلہ ہے کہ جب روشن ہوتا ہے تو معشوق کے سوا جو کچھ ہو سب کچھ نہ کچھ دیتا ہے۔

Marfat.com

تیغ لا[1] در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند[2] الا اللہ و باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

تو جب یہ تمام وساوس منقطع ہو جائیں گے تو کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہم کو خدا تعالےٰ سے کیا تعلق ہے۔ اس کے بعد کوئی حکم ناگوار نہ گذرے گا۔ کیونکہ عاشق کو کوئی حکم محبوب کا ناگوار نہیں ہوتا بلکہ یوں چاہے گا کہ کسی طرح ہر وقت اُدھر سے کچھ ارشاد ہوتا رہے۔

حکایت:۔ ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک طبیب پر عاشق ہو گیا تھا۔ آخر بیمار پڑا لوگ اس طبیب کو علاج کے لیے لائے تو یوں تمنا کرتا تھا کہ مجھے کبھی شفا نہ ہو تاکہ اسی بہانہ سے روزانہ طبیب میرے پاس چلا تو آیا کرے۔ صاحبو واقعی یہ آگ بہت غضب کی چیز ہے کہ عاشق تو عاشق معشوق کو متوجہ کر دیتی ہے ؎

عشق[3] را نازم کہ یوسف[4] را ببازار آورد — ہمچو صنعا زاہدے را زیر زنار آورد

دیکھئے اس مریض کا مرض ہی تھا کہ جس نے طبیب کو بھی کھینچ ہی لیا آجکل کے عقلاء اسکو نہ سمجھیں گے۔ کیونکہ یہ محض ذوقی و وجدانی امر ہے چند ہی روز ہوئے

---

[1] جب لا (یعنی نہیں) کی تلوار حق تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے قتل میں چلا ڈالی تو پھر دیکھو آخر لا کے بعد کیا رہ گیا ہے [2] الا اللہ رہ گیا اور باقی سب جاتا رہا۔ اے شرکت غیر کو پٹرول کی طرح جلا دینے والے عشق مرحبا مرحبا [3] میں عشق پر ناز کرتا ہوں کہ وہ یوسف علیہ السلام تک کو بازار میں لے آتا ہے اور شہر صنعا کی طرح ایک زاہد کو زنار کے نیچے لے آتا ہے کہ زنار والی کے پیچھے لگ کر زنار (جنیو) باندھ لیا گیا تھا۔

Marfat.com

کہ سفر الہ آباد پیش آیا۔ میرے ہمراہ ایک دوست بھی تھے وہ چونکہ شاعر بھی ہیں۔ ایک موقعہ پر اپنے کچھ اشعار پڑھ رہے تھے کہ ان میں یہ شعر بھی پڑھا ؎

کیا بیٹھا ہے سینہ پر زانو کو دھر کے قاتل ہاں پھیر بھی دے خنجر کیوں دیر لگائی ہے

اس مجمع میں ایک مولوی صاحب تھے جن کی کتابیں عربی کی سب تمام تھیں لیکن شعر سے بالکل مناسبت نہ تھی۔ انہوں نے جو یہ شعر سنا تو نہایت تعجب سے کہا کہ اس شعر کا کیا مطلب ہے یہ تو بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ تو محبوب حقیقی نے کسی کے گلے پر خنجر پھیرا نہ ان شاعر کے مرشد نے کبھی ایسا کیا البتہ طمانچہ شاید کبھی کسی کو مار دیا ہو۔ لیکن سینہ پر زانو رکھ کر تو کبھی نہ بیٹھے۔ غرض ان کو ہر چند سمجھایا گیا۔ لیکن اخیر تک ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا وہ اس کو برابر غلط ہی کہتے رہے۔ اور لوگ ہنسا کئے تو دیکھئے شعر سے مناسبت[1] نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک صاف شعر کو نہ سمجھ سکے تو اسی طرح جن لوگوں کو یہ نسبت حاصل نہیں ہے۔ ان کی سمجھ نہ آئے گا کہ کیا بات پیدا ہو جاتی ہے لیکن ایسے لوگوں کو اہل محبت پر طعن کرنا ہرگز زیبا نہیں۔ غرض محبت ایک عجیب چیز ہے۔ ذرا غور کر لیجئے کہ اگر ایک مرد[2] عورت سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو کیا حال ہوتا ہے کہ اس کے درشت اور نازیبا کلمات بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور بیجا فرمائش بھی پوری کی جاتی ہے۔ اور دل پر ناگواری نہیں ہوتی۔

---

[1] حالانکہ شعر میں مجازات کی زیادت۔ اور تشبیہات ہیں۔ خود گھٹنہ اور خنجر کہاں مراد ہے

[2] سخت اور مناسب۔

Marfat.com

(۲۰۷) توبہ کی ترغیب اور اس کی حقیقت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ الخ۔ مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو توبہ کا حکم کرتا ہے۔ چنانچہ ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ اسی کو توبہ کہتے ہیں کہ بندہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے یہی توبہ کی حقیقت اور صرف لفظ زبان سے کہہ لینا کافی نہیں۔ کیونکہ صرف زبانی وہی توبہ ہے جس کو کہتے ہیں۔ ؎

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پر از ذوق گناہ — معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

تو حقیقت توبہ کی یہ ہوئی کہ دل سے توجہ ہو تو فرماتے ہیں۔

(چونکہ توبہ کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے اسلئے اب میں توبہ ہی کا لفظ کہوں گا) اے ایمان والے بندو توبہ کرو۔ خدا کی طرف خالص توبہ۔ یہ حاصل ہے اس جملہ کا۔

(۲۰۸) گناہ کی حقیقت اور گناہ سے بیخبری کی شکایت

گناہ کا خلاصہ ہے۔ خدا کی نافرمانی کرنا تو اول یہ معلوم کرو کہ خدا نے کس کس بات کا ہم کو حکم کیا ہے۔ پھر دیکھو کہ ہم ان میں سے کتنے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ اور کتنے

لہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو خالص توبہ (یعنی دل سے متوجہ ہو جاؤ) قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کر دے سبحہ ہاتھ پر تسبیح منہ پر توبہ دل گناہ کے شوق سے بھرا ہوا تو گناہ کو بھی ہمارے استغفار پر ہنسی آتی ہے۔

Marfat.com

نواہی[1] سے اجتناب نہیں کرتے اور یہ اس وقت معلوم ہو سکتا ہے کہ شریعت کا علم سیکھا جائے۔ کیونکہ یہ اس پر موقوف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مقام پہ توبہ کا حکم ہے اور توبہ گناہ سے ہوتی ہے۔ اور گناہ کا علم دین کے جاننے سے ہوتا ہے کہ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ گناہ کس قدر ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی وقت ایسا گذرتا ہو کہ ہم سے گناہ نہ ہوتے ہوں۔ مثلاً دل ہی ہے کہ اس کے گناہوں کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اس کے بہت سے گناہ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو بنظر حقارت دیکھا یہ بھی گناہ ہے جس کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔

حکایت:۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا جو کہ صحیح و تندرست تھا۔ آپ نے دل میں فرمایا کہ یہ شخص صحیح سالم ہے۔ اور پھر سوال کرتا ہے۔ رات کو آپ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس مردار لایا اور کہا کہ اس کو کھائیے انہوں نے کہا کہ یہ تو مردہ ہے کیونکر کھاؤں اس شخص نے جواب دیا کہ آج صبح تم نے اپنے بھائیؒ کا گوشت کھایا ہے۔ تو اس کے کھانے میں کیوں تامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے غیبت نہیں کی اس نے جواب دیا کہ گو زبان سے غیبت نہیں کی لیکن دل میں اس کو حقیر تو سمجھا اور دل ہی سے تو سب کچھ ہوتا ہے۔ آخر جنیدؒ بہت گھبرائے اور اس فقیر کے پاس پہنچے وہ کوئی کامل شخص تھا۔ ان کو دیکھتے ہی کہا وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ[2] سو ان گناہوں کی طرف کبھی ہمارا ذہن بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی گناہ ہیں

---

[1] ممنوع باتیں۔ [2] قرآن مجید میں غیبت کرنے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتے ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح بعض جو اُس کے ایسے گناہ ہیں۔ کہ ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ نہایت بے تکلف کیا جاتا ہے۔ جیسے زبان کے اکثر گناہ۔ اسی طرح اپنے کو بڑا سمجھنا اس کو بھی ہم لوگ گناہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ خود بینی اور خود رائی کو عزت سمجھتے ہیں۔

(۲۰۹) گناہ کی علامت اور اس کی اجمالی فہرست بالخصوص رسوم کا گناہ ہونا

صاحبو گناہ کی علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہو دیکھیے لیجئے کہ ان گناہوں پہ کیا وعیدیں ہیں۔ غیبت پہ کیا وعید ہے۔ تکبر پہ کیا وعید ہے۔ اسی طرح بلا تحقیق کسی واقعہ پر حکم کر دینا اس پہ کیا وعید ہے شادی اور غمی میں اس قدر رسومات خلاف شریعت ہوتی ہیں۔ جن کی کوئی حد نہیں اکثر لوگ شادی میں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ناچ نہ کرایا اور گانا نہ ہوا تو بس کوئی رسم ہم نے نہیں کی شرعی نکاح ہو گیا۔ حالانکہ اس کے علاوہ بھی بہت سی رسمیں ایسی ہیں کہ وہ بدعت بلکہ بعض شرک ہیں اگرچہ الحمد اللہ ایسی رسموں میں سے اکثر چھوٹ گئی ہیں۔ جیسے دولہا کو اُلو کا گوشت کھلانا یا دامن میں ہلدی باندھنا میانہ سے اتر کر چارپائی پر نہ بیٹھنا وغیرہ وغیرہ کہ اس قسم کی اکثر رسمیں ترک ہو گئیں ہیں لیکن ان کے

لہ دل کے سوا باقی اعضا زبان، ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ سے ایسے کو دیکھنا یعنی اچھا سمجھنا اور اپنی بڑائی کو سب سے بہتر قرار دینا کے سزا ہیں۔

Marfat.com

ترک کے ساتھ ہی وہ رسمیں کہ جن میں فخر اور مباہات[1] ہے اور زیادہ ہو گئی ہیں کیونکہ بہ نسبت سابق کے اسوقت تمول[2] زیادہ ہوتا چلا جارہا ہے پہلے لوگوں میں اس قدر تمول کہاں تھا۔ ایسا سامان کہاں تھا۔ یہ رنگ برنگ کے کپڑے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ چنانچہ اب بھی جو لوگ پرانی وضع کے باقی ہیں۔ اُن کی زندگی بالکل سیدھی سادھی ہے۔ اور آجکل کے نئے رنگیٹوں کی تو یہ حالت ہے کہ ایک مقام پر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ شادی میں ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا دیا گیا۔ شاید اسکی تو ساری عمر میں بھی اس کپڑے کا نصف بھی اس کو پہننا نصیب نہ ہو۔ کیونکہ اوّل تو اتنا کپڑا دوسرے عورتوں کا پہننا کہ ایک ایک کپڑے کو دس دس برس تک احتیاط سے رکھ کر پہنتی ہیں کیونکہ اُن کی یہ حالت ہے کہ اپنے گھر میں ایسی حالت میں رہیں گی کہ صورت دیکھ کر بھی نفرت پیدا ہو۔ اور دوسری جگہ جائیں گی تو بن سنور کر خدا جانے دوسری جگہ کس کو دکھلانا منظور ہوتا ہے اور پھر اس کپڑے سے اس قدر مشغولی ان کے قلب کو ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ آج دھوپ دکھلائی جارہی ہے اور کل صاف کیا جارہا ہے۔ کپڑا جو کہ خادم تھا ان کا مخدوم ہو گیا۔ تعجب ہے کہ ان کا جی نہیں گھبراتا۔ لیکن جب دوسرا کوئی کام نہیں تو آخر یہ بیچاری دن کس طرح کاٹیں اسی طرح شادی میں فضولیات ہوتے ہیں۔ مثلاً کھانا کھلانا ہے کہ ساری برادری کو نوتا[3] جاتا ہے مشورہ کرنا ہے کہ ایک ایک سے رائے کی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہا اور یہ رائے ہوئی کہ اس خوشی میں ایک ہزار روپیہ کسی

---

[1] ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کے ہونا [2] مالداری [3] دعوت دی جاتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی مدرسہ میں دے دیں۔ ان بیچاروں سے یہ خطا ہوئی کہ برادری کو جمع کر کے رائے لی تمام برادری نے ان کو دق کیا اور کہا کہ ہمارا جو کچھ آپ نے کھایا ہے وہ واپس کیجئے۔ آخر مجبور ہو کر بیچاروں کو ساری رسمیں کرنا پڑیں۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ اس رقم کے برباد کرنے سے آپ کا کیا نفع ہوا ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ صاحب اس میں کیا گناہ ہے کہ برادری کو کھلا دیا پلا دیا۔ صاحبو یہ عنوان تو بہت پیارا ہے مگر ذرا اس کی حقیقت کو تو دیکھو یہ ایسا ہی عنوان ہے جیسا کہ ایک چور نے کہا تھا ہم تو جو کچھ کھاتے ہیں حلال کر کے کھاتے ہیں۔ دیکھئے رات کو نیند برباد کرتے ہیں محنت کرتے ہیں جب کہیں کھانے کو نصیب ہوتا ہے۔ جیسا اس چور نے ایک نیا عنوان نکال کر چوری کو حلال کیا تھا۔ ایسی ہی ہماری حالت ہے کہ ایسا عنوان اختیار کرتے ہیں کہ گناہ بظاہر گناہ ہی نہ معلوم ہو کہ برادری کو کھلا دیا ادائے حق کیا۔ لڑکی کو دیا۔ صلہ رحمی کی تو اس میں کیا حرج ہے میں کہتا ہوں کہ اگر لڑکی کے ساتھ صرف صلہ رحمی کرنی ہے تو کیا وجہ کہ برادری کو جمع کر کے ان کو دکھلایا جاتا ہے اور اگر صلہ رحمی کے لئے برادری کو جمع کرنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ پندرہ سولہ برس تک جو صلہ رحمی لڑکی کے ساتھ کی گئی ہے اس میں برادری کو جمع نہیں کیا گیا۔ کہ صاحبو دیکھ رکھو آج لڑکی کے واسطے کپڑا لایا ہوں آج اس کے لئے حلوا تیار کرایا ہے۔ معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر مقصود تفاخر[1] ہوتا ہے نہ کہ صلہ رحمی دوسری علامت تفاخر مقصود ہونے کی یہ ہے کہ سامان دینے کے

---

[1] قرابت کا حق ادا کیا [2] ایک دوسرے پر فخر کرنا۔

Marfat.com

بعد اس طرف کان جھکتے ہیں۔ کہ دیکھیں لوگ ہماری نسبت کیا کہہ رہے ہیں اگر کسی نے کہہ دیا کہ واقعی حوصلہ سے زیادہ کام کیا تو سمجھا جاتا ہے کہ بہت بڑی تعریف کی حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بہت بڑی ہجو ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے بہت بڑی حماقت کی کہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کر دیا لیکن یہ تعریف کم نصیب ہوتی ہے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ اس کی یہ نیت بھی پوری نہیں ہوتی بلکہ جتنا بھی یہ زیادہ خرچ کرتا ہے۔ برادری زیادہ عیب نکالتی ہے۔ اور ہمدردی بھی اگر کی جاتی ہے تو دل میں اس کے بگاڑنے کی فکر کی جاتی ہے۔ ہمارے اطراف میں ایک قصبہ ہے بگھرہ وہاں ایک نو دولت تھے انہوں نے اپنے لڑکے کی شادی کی برادری کے لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے یہ شخص بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کو اپنے جیسا بنانا چاہیئے۔ چنانچہ دو چار آدمیوں نے متفق ہو کر ان کو یہ رائے دی کہ اس شادی میں طائفہ[1] کو ضرور بلانا چاہیئے اور کہا کہ میاں کیا روز روز یہ موقع آتا ہے چنانچہ طائفہ کو بلایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ کما کر جمع کیا تھا سب کھو کر بیٹھ رہے۔ برادری نے جب دیکھا کہ یہ بھی ہماری طرح کنگال ہو گیا تو بہت خوش ہوئے۔ واقعی لوگوں کی وہ حالت ہے کہ کسی کو اچھی حالت میں دیکھ نہیں سکتے کسی کبڑے سے پوچھا تھا کہ تیری کیا تمنا ہے اس نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ سب لوگ کبڑے ہو جائیں تاکہ میں بھی ان کو ہنسوں۔ اور اگر اتفاق سے کسی نے ایسا سامان کر بھی لیا کہ اس میں کوئی عیب نہ نکل سکا تو کہتے ہیں کہ میاں

---

[1] بازاری گانے والی عورتوں کی جماعت۔

Marfat.com

اگر کیا تو کیا بڑی بات ہوئی جن کے پاس ہوا کرتا ہے۔ کیا ہی کرتے ہیں۔ بتلایئے کہ جب برادری بھی خوش نہ ہوئی اور خرچ بھی ہوا تو کیا فائدہ ہوا۔

صاحبو کیا اس ساری کارروائی کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کھلا دینا پلا دینا ہے کیا یہ اسراف اور تفاخر نہیں ہے۔ اور کیا تفاخر گناہ نہیں۔ قرآن شریف سے ثابت حدیث شریف سے ثابت دیکھ لیجئے۔ حدیث میں ہے مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذُّلِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غور کیجئے کہ کپڑے میں خرچ ہی کیا ہوتا ہے۔ جب اس میں یہ وعید ہے تو دوسری فضولیات جن میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ کیا ان میں یہ وعید نہ ہوگی۔ اسی طرح کے اور بہت گناہ ہیں جو سرسری سمجھے جاتے ہیں۔

(۲۱۰) توبہ کا ہر وقت ضروری ہونا اور اس کے موانع کے ارتفاع کی تدبیر

غرض گناہوں کی اس قدر کثرت ہے کہ اگر ان کی فہرست پیش نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم ہر وقت گناہ میں مبتلا ہیں ہم کو تو توبہ کی بھی ہر وقت ضرورت ہے اور توبہ کرنا ہر وقت واجب ہے لہٰذا اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہوا لیکن چونکہ نرے وجوب کا بیان کر دینا کافی نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ اکثر موانع قوی ہوتے

لہ جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا اللہ تعالیٰ اسکو قیامت میں ذلت کا کپڑا پہنائیں گے سے رکاوٹوں کے ہٹ جانے کی۔

Marfat.com

ہیں کہ ان کا ارتفاع کا ذریعہ نہ بتلانے سے طبیعت پہ گرانی اور مایوسی ہوتی ہے اسی لئے موانع کا بتلانا اور ان کے ارتفاع کی تدابیر بتلانا بھی ضروری ہوا کہ کن کن چیزوں سے توبہ کرنی چاہیئے۔ تو نہ محض اجمال کافی ہے۔ اور نہ زیادہ تفصیل کا وقت ہے۔ اسی لئے بیان موانع کے ساتھ چند کثیر الوقوع گناہ بھی بتلاتا ہوں کہ ان سے اجتناب کیا جائے اور چونکہ وہ کثیر الوقوع ہیں۔ جب ان سے اجتناب ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ سب گناہوں سے اجتناب ہو جائے گا۔ دوسرے یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی ایک گناہ کو چھوڑتا ہے تو سب گناہ اس کے چھوٹ جاتے ہیں۔ یعنی ایک گناہ کا ترک دوسرے کے ترک میں معین ہوتا ہے۔ تو گویا اب دو باتیں بیان کرنی رہ گئیں۔ ایک تو مختصر سی فہرست گناہوں کی دوسرے توبہ کرنے کے موانع اور ان کے ارتفاع کے ذرائع۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ جب توبہ کا وجوب قرآن شریف سے ثابت حدیث شریف سے ثابت، تو اس کی طرف سے بے توجہ ہونے کے اسباب کا ارتفاع واجب ہوگا۔ اسباب یہ ہیں جن کو میں مع ان کے علاج کے بیان کرتا ہوں۔

(۱۱۲) اوّل مانع توبہ سے علم دین نہ ہونا ہے

پہلا مانع سبب توبہ کا یہ ہے کہ ہم کو گناہوں کی تفصیل معلوم نہیں تو جب گناہ ہی کا علم نہ ہوگا۔ اور تو بہ گناہ ہی سے ہوتی ہے۔ تو توبہ کیونکر ہوگی۔ افسوس

لہ توبہ کے مرقعوں کے بیان کے ساتھ ۲ بہت واقع ہونے والے گناہ ۳ بے توجہ ہونے کے سببوں کا اٹھ جانا اور دور کرنا ۴ روکنے والا۔

Marfat.com

ہے ہم لوگوں کو علم سے اس قدر اجنبیت ہو گئی ہے کہ اگر کوئی عالم ہمارے سامنے ہمارے افعال کا گناہ ہونا بیان کرتا ہے تو سُنکر تعجب ہوتا ہے۔ علم سے اجنبیت کے متعلق ایک حکایت یاد آئی۔

حکایت :۔ ایک معتبر راوی سے معلوم ہوا کہ ایک بڑے انگریزی کے فاضل کو سفر میں پانی نہ ملا تو نماز کے وقت آپ نے تیمم کیا اور مٹی لے کر اس سے کلی بھی کی خدا جانے کیا کیا ہوگا۔ منہ میں مٹی لے کر اس کو تھوکا یا اور کوئی صورت نکالی ہوگی۔ ملاحظہ کیجئے کہ نا واقفی کس حد تک پہنچ گئی۔

سو اس کا علاج یہی ہے کہ علم دین پوری طرح سے حاصل کیا جائے اور کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم بہشتی زیور کے دسوں حصے ہی پڑھ لیں۔ اور سہل طریقہ اس کا یہ ہے کہ مرد تو علماء سے پڑھ لیں پھر جو کچھ پڑھا ہے عورتوں کو بھی پڑھا دیں۔

(۲۱۲) دوسرا مانع توبہ سے گناہ کو ہلکا سمجھنا ہے اور اس کے اسباب

دوسرا مانع توبہ سے یہ ہے کہ بعض لوگ گناہ کا گناہ ہونا تو جانتے ہیں لیکن اس کو کوئی بڑی چیز نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایک ہلکی بات سمجھتے ہیں۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ کبھی گناہ کرکے ان لوگوں کا جی برا نہیں ہوتا دوسرے توبہ نہیں کرتے دیکھئے اگر اس شخص کو جو کہ شراب نہ پیتا ہو دھوکے میں کوئی شراب پلا دے تو دل پر کتنا صدمہ ہوگا۔ لیکن جن لوگوں کی عادت ہو گئی ہے اور عادت کی وجہ سے ان کو

لہ بلکہ گیارھواں بھی اور تعلیم الدین۔

Marfat.com

خفیف سمجھ لیا ہے جیسے غیبت کہ اس کے کرنے سے ذرا بھی دل برا نہیں ہوتا اور گناہ کے خفیف ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس گناہ کے کرنے سے ہم کو کیا سزا ملے گی اور کتنا عذاب ہوگا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ احادیث ترغیب[1] و ترہیب کو ایک جگہ جمع کر کے ان کا ترجمہ کر دیا جائے اور ایسے لوگ ان کو مطالعہ میں رکھا کریں۔ لیکن ابواب[2] فقہ کے دیکھنے کی اجازت عوام کو نہ دی جائے کیونکہ ایسے احکام مختلف[3] فیہا ہیں اگر عوام ان کو دیکھیں گے تو ان کو ضرر زیادہ ہوگا۔ اسی لئے صرف ترغیب و ترہیب کی احادیث ان کو دی جائیں۔ چنانچہ منذری کی ترغیب و ترہیب بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس بارے میں اگر اس کا ترجمہ[4] ہو گیا تو اس کو دیکھیں اور اگر اس کا ترجمہ نہ ہوا ہو تو کسی اہل علم کو چاہیئے کہ اس کا ترجمہ کر دے۔ اور بہشتی زیور میں بھی ہم نے حدیثوں کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اس کا دیکھنا بھی بہت مفید ہے اس سے معلوم ہوگا کہ فلاں گناہ میں یہ عذاب ہوگا۔ اس لئے اس گناہ سے بچنا چاہیئے۔ دوسرا سبب گناہ کے خفیف سمجھنے کا یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے ہماری عادت ثانیہ ہو گئی ہے کہ اس سے ذرا بھی طبیعت میلی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کیا جاتا کہ ہم نے فلاں گناہ؟

---

[1] شوق دلانے والی اور عذاب سے ڈرانے والی حدیثیں[2] حدیث کی کتابوں میں جو باب عبادات کے متعلق ہیں کہ ان کو کس کس طرح کیا جائے۔ بلکہ ان کی جگہ فقہ یعنی مسائل کی کتابیں بہشتی زیور وغیرہ دکھلائیں۔ [3] اماموں کے اختلافی[4] کچھ کا ہو چکا ہے۔ انوار الصلوٰۃ انوار الصوم وغیرہ ناموں سے ملتا ہے۔

Marfat.com

کیا ہے چنانچہ بعض اوقات اگر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو تعجب سے پوچھا جایا کرتا ہے کہ خدا جانے ہم نے کیا گناہ کیا تھا۔ جس کے پاداش میں ہم پر یہ مصیبت نازل کی گئی ہے۔ میں اس تعجب پر تعجب کرتا ہوں صاحبو کیا کوئی وقت بھی گناہ سے بچا ہے پھر اس کے کیا معنی کہ جانے کون سا گناہ ہو گیا ہے بلکہ انصاف اور عقل کی رو سے تو یوں چاہیئے کہ اگر ہم پر خدا تعالیٰ کا کوئی انعام ہو تو تعجب کریں کہ ہم جیسے گنہگاروں سے کیا بھلائی بن پڑی ہو گی جس پر یہ انعام ہوا ہے۔ عادت ایسی بری چیز ہے کہ اس کی بدولت معصیت کا معصیت ہونا بھی ذہن سے نکل جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ گناہ کی عادت چھوڑی جائے اور اپنے اوپر جبر کر کے گناہ کو ترک کیا جائے۔ مثلاً غیبت کا گناہ ہے کہ اس میں علی العموم لوگ مبتلا ہیں اس کے چھوٹ جانے کا طریقہ ہے کہ ہمت کر کے ایک ہفتہ تک نہ زبان کو غیبت کرنے سے اور کان کو غیبت سننے سے بند رکھا جاوے جب ایک ہفتہ اس طرح گذر جائے گا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو گے کہ غیبت کرنا تو درکنار غیبت سننا بھی گوارا نہ ہو گا۔ بلکہ ایسا معلوم ہو گا گویا کسی نے ایک پہاڑ تم پر رکھ دیا ہے ؎

بر دلِ سالک ہزار اں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود[1]

(۲۱۳) تیسرا اور چوتھا مانع توبہ سے

ایک مانع توبہ کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہ کو بہت ہی بڑی چیز سمجھ

---

[1] اللہ کے راستہ والے کے دل پر تو ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اگر دل کے باغ سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے۔ کہ اتنے بڑے گناہ کے مقابلہ میں توبہ سے کیا کام نکل سکے گا۔ علی ہذا القیاس کو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ ہمارے گناہ اس قدر کثیر ہیں کہ ان کی معافی ممکن ہی نہیں۔ اگرچہ ہم کتنی ہی توبہ کریں ان دونوں غلطیوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کو بندوں پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح دُنیا میں عادت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے امر میں کسی کی نافرمانی کرے یا معمولی باتوں میں ہمیشہ نافرمانی کرے تو ان دونوں کے قصور کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح گویا خدا کے کارخانے کو بھی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ قیاس[1] مع الفارق ہے بندہ اول تو محتاج ہے اس کو اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی بھی ضرورت ہے دوسرے کے مقابلہ میں اپنی بات رکھنے کی بھی ضرورت ہے دوسرے بندہ متاثر[2] ہے کہ جب کسی نے اس کی مخالفت کی تو اس پر کچھ اثر ہوا اگر مکرر مخالفت ہوئی اس اثر اور انفعال[3] میں ترقی ہوئی اسی طرح ترقی ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ استعدادِ موافقت سلب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے یہ معاف نہیں کر سکتا۔ برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ ان کا ہر فعل اختیاری ہے۔ وہاں تاثر[4] کا نام بھی نہیں۔ وہ عذاب بھی کرتے ہیں تو ارادہ محض سے کہ اس میں غیر اختیاری جوش کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس خیال فاسد سے توبہ کرے اور رحمت کی حدیثیں مطالعہ میں رکھے یقین ہے کہ ان سے یہ مایوسی مبدل[5] بامید ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص نے تمام روئے زمین

---

[1] یہ قیاس کرنا فرق کے ساتھ ہے [2] اثر لینے والا [3] اثر قبول کرنا [4] اس کے موافق ہونے کی قابلیت نہیں رہتی [5] اثر لینے کا امید سے بدلی ہوتی

Marfat.com

کی برابر گناہ کیئے۔ اور وہ توبہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد گناہوں کا بڑھ جانا موجب[1] یاس نہ ہونا چاہیئے رہی کیفاً[2] زیادتی اس کو یوں سمجھے کہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کفر ہے کہ اس کی برابر کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے۔ جس وقت حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم رونق افروز عالم ہوئے۔ دنیا کا کیا حال تھا۔ بجز معدودے چند فرقوں کے اور ان میں گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ ساری دُنیا کفر و جہل سے پُر تھی۔ خصوصاً اور پھر اس میں بھی خاص کر قریش کہ انہوں نے تین سو ساٹھ[۳۶۰] بُت اپنے لئے بنا رکھے تھے۔ یعنی ہر دن ایک نیا خدا (بزعم خود) اُن سے سر تسلیم خم کراتا تھا۔ لیکن دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اس قبیلہ قریش سے فلک اسلام کے لئے کیسے نیر اکبر[3] پیدا کئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلے کے جن کے بارے ارشاد ہے اِذْ[4] یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قبیلہ کے ہیں جن کے لئے حدیث ہے۔ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ[5] وَعَلٰی ھٰذَا اغرض یہ سمجھنا کہ ہمارے گناہ معاف نہ ہوں گے۔ غلطی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ

---

[1] ناامیدی کا سبب [2] کیفیت وحیثیت میں [3] خود ان کے گمان میں [4] اسلام کے آسمان کے لئے کیسے کیسے آفتاب [5] جب آپ اپنے ساتھی سے کہتے تھے فکر نہ کر یعنی ہجرت کے وقت غار ثور میں ساتھ تھے۔ اور کفار کی طرف سے بے فکری کو حضور نے فرمایا [6] اللہ کے دین کے بارے میں سب سے سخت عمر ہیں۔
[7] اور ایسے ہی دوسرے حضرات۔

Marfat.com

انسان بغیر توبہ کئے مرجاتا ہے۔ اگرچہ

(۲۱۴) پانچواں مانع توبہ سے پھر گناہ ہوجانے کا خوف ہے۔

اور اس کا سبب

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھ سے پھر گناہ ہوجائے گا اور جبکہ ہنوز صدور گناہ کا احتمال باقی ہے تو توبہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ لہٰذا توبہ اس وقت کرنی چاہیئے کہ اس کے بعد پھر گناہ نہ ہو صاحبو میں پوچھتا ہوں کہ زندگی کا کونسا حصّہ ہے جس میں گناہ نہ ہونے کا یقین کرلیا ہے۔ جوانی میں اگر چالاکی عیاری نہیں ہوتی تو بدمستی لاابالی پن ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں اگر آدارگی بدمستی نہیں ہوتی تو حرص طول امل حیل سازی مکر و فریب حسد بغض۔ غرض بیسیوں امراض باطنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ تو حاصل اس عذر کا یہ ہوا کہ مرکر توبہ کریں گے۔ مگر سمجھ لو کہ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ اور قیامت میں قبول توبہ ہے نہیں اور سبب مانع کے پیش آنے کا یہ ہوتا ہے کہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب توبہ کے بعد بھی گناہ کا صدور ہوا تو وہ توبہ ٹوٹ گئی۔ حالانکہ یہ غلط خیال ہے بلکہ پچھلے گناہ جو معاف ہوچکے ہیں ان پر اب دارد گیر نہ ہوگی۔ اسی طرح جس جس گناہ سے توبہ کرتے جاؤ گے وہ محو ہوتا جائے گا لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو بہت آسان ترکیب نکل آئی۔

---

۱ بے پروائی ۲ لمبی لمبی اُمیدیں ۳ حیلے گھڑنے ۴ جو گیا سو گیا ایک قیامت تو قائم ہوگئی۔

Marfat.com

بس آئندہ سے یہی کیا کریں گے۔ کہ خوب جی بھر کر گناہ کر لئے پھر توبہ کر لی۔ کیونکہ جس توبہ کے وقت آئندہ گناہ کرنے کا بھی قصد ہو وہ توبہ مقبول نہیں۔ جیسا کہ میری پچھلی تقریر بابت حقیقۃ[1] توبہ سے معلوم ہوا ہوگا اور قبول توبہ کے مضمون میں یہ خیال کہ خوب گناہ کریں اسی کو پیدا ہوگا جو نہایت بلید[2] الطبع اور بالکل ہی گیا گذرا ہو ورنہ سلیم الطبع کو تو اس سے اطاعت کا زیادہ جوش پیدا ہوگا کہ اللہ اکبر جب بارگاہ خداوندی میں اس قدر رحم و کرم ہے تو ہم کو ہرگز مناسب نہیں کہ اس کی مخالفت کریں۔ حاصل یہ کہ حدیث میں ہے۔ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ یعنی جس شخص نے گناہ کے بعد توبہ کر لی وہ گناہ پہ ہٹ کرنے والوں میں نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں۔ کُلُّکُمْ خَطَّاءُوْنَ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ کہ گنہگار تو سب ہیں مگر ان میں اچھے وہ ہیں کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ پس اگر اتنی ہمت نہ ہو کہ گناہ چھوڑ دو تو توبہ کرنے سے تو ہمت نہ ہارو بلکہ جو گناہ ہو جایا کرے اس سے توبہ کر لیا کرو۔ اگر پھر ہو جائے پھر توبہ کر لو۔ دیکھو ایک شخص بیمار ہو جائے اور اس کو کوئی یہ رائے دے کہ علاج سے کیا فائدہ آخر پھر بھی احتمال ہے کہ بیمار ہو جاؤ گے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میاں اگر پھر بیمار ہوں گے تو پھر علاج کر لیں گے۔ آئندہ کی بیماری کے خوف سے موجودہ بیماری کا علاج کیوں نہ کریں۔ تو جو فتویٰ آپ کی عقل نے جسمانی مرض میں دیا ہے وہ فتویٰ روحانی امراض میں کیوں نہیں ہوتا۔

---

[1] توبہ کے تین جزء ہیں۔ گزشتہ پہ شرم اس وقت معافی آئندہ کو نہ کرنے کا عہد یہ کلہ طبیعت کا۔

Marfat.com

اسی حدیث مَا اَصَرَّ میں ہے وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً یعنی اگرچہ ستر دفعہ توبہ ٹوٹ جائے۔

۲۱۵ چھٹا مانع توبہ سو یہ خیال ہے کہ حق تعالیٰ بخش دیں گے

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کو ہمارے گناہ بخش دینے کیا مشکل ہیں۔ لیکن صاحبو یہ جواب ظاہری بیماریوں میں کیوں نہیں دیا جاتا اور امراض سمی میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا کوئی شخص تبلا سکتا ہے کہ اس نے اس خیال سے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ہم کو ضرور تندرست کر دے گا۔ امراض جسمانی کا علاج نہ کیا ہو یا کوئی شخص تبلا سکتا ہے کہ اس نے خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے زہر کھا لیا ہو کبھی نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا یوں کہے کہ میاں خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے سنکھیا کھا جاؤ تو اس کو دیوانہ تبلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا کے غفور رحیم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ سنکھیا کھاؤ تو ضرر نہ کرے بلکہ سنکھیا ضرر بھی کرے گا۔ اور خدا غفور رحیم بھی رہے گا۔ اسی طرح گناہ کا ضرر ہوتا ہے۔ لیکن اس سے خدا تعالیٰ کے غفور رحیم رہنے میں کوئی نقص[۲] نہیں آتا۔

---

[۱] زہر کی بیماریوں میں۔ [۲] سنکھیا کھانا جرم مگر علاج پر اگر مصلحت ہو غفور رحیم شفا دے دیتے ہیں۔ ایسے ہی گناہ جرم مگر توبہ کے علاج سے غفور رحیم شفا دے دیتے ہیں اگر علاج نہ کیا تو سنکھیا میں بھی موت کا گناہ میں بھی عذاب کا خطرہ ہوگا۔

Marfat.com

(۲۱۶) خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کے صحیح معنی

صاحبو اس خبر سے کہ ہم غفور رحیم ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ جو گناہ تم سے ہو گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے پریشان خاطر مت ہو اور توبہ کو بیکار نہ سمجھو ہم ان سب کو معاف کر دیں گے چنانچہ اس آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ[1] کا شان نزول یہی ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول مکہ میں مبعوث ہو کر دعوت اسلام فرمائی تو لوگوں نے آکر عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آئیں لیکن جو گناہ ہم نے اس کے قبل کئے ہیں۔ ان پر تو ہم کو ضرور سزا ہو گی۔ بس جب دین آبائی بھی چھوڑا بدنامی بھی اٹھائی اور آخرت کا عذاب بھی باقی رہا تو ہم کو فائدہ ہی کیا ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگ پچھلے گناہوں کا اندیشہ نہ کرو ہم غفور رحیم ہیں سب پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور اگلے بھی بس معلوم ہوا کہ مقصود آیت سے ان لوگوں کی ناامیدی کو دور کرنا ہے جو اسلام اور توبہ سے اس خیال پر رکتے تھے نہ کہ وہ مقصود جو کہ لوگوں نے سمجھا[2]۔

---

[1] آپ کہدیجئے اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کر رکھی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخشدیں گے۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والے ہیں بڑے رحم کرنیوالے ہیں۔ [2] کہ بے توبہ سب بخشدیئے جائیں بلکہ توبہ سے بخشے جائیں گے غیر مسلم کی توبہ اسلام سے آتا ہے اور مسلمان کی توبہ دل سے توبہ و استغفار۔

Marfat.com

(۲۱۷) ساتواں مانع توبہ سے یہ خیال ہے کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا

ایک مانع یہ ہے کہ یوں سمجھتے ہیں بلکہ زبان سے کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے جنت یا دوزخ وہ ضرور ہو کر رہے گا پھر نہ طاعت سے کچھ فائدہ اور نہ گناہ سے کوئی ضرر۔ مگر تعجب ہے کہ یہ تقدیر دنیا کے کاموں میں مثلاً کمانا کھانا مال و دولت جمع کرنا ان میں کہاں چلی جاتی ہے ہم نے کسی کو نہ دیکھا کہ اس نے تقدیر کے بھروسہ پر کمانا چھوڑ دیا ہو یا کھانا نہ کھایا ہو یا کھیتی کرنی چھوڑ دی ہو اور اس میں تخم ریزی نہ کی ہو کہ اگر تقدیر میں ہے تو خود بخود سب کام ہو جائیں گے اس موقعہ پہ تو کہتے ہیں کہ صاحب تقدیر حق ہے لیکن تدبیر بھی تو کرنی چاہیئے بدون تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ افسوس یہاں تو تدبیر کی ضرورت اور دین کے کام میں تدبیر کی ضرورت نہیں حالانکہ آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاش کی خدا تعالیٰ نے ایک حد تک ذمہ داری بھی کی ہے فرماتے ہیں وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اور معاد کے بارے میں ذرا بھی ذمہ داری نہیں فرمائی بلکہ صاف ارشاد ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى اور وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَآءَ فَعَلَيْهَا

لہ اور نہیں ہے کوئی زمین پر چلنے والا مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کا رزق ۲ آخرت ۳ نہیں انسان کیلئے سوائے اسکے جو اس نے کوشش کی یعنی عمل کیا۔ ۴ اور جو شخص نیک عمل کریگا تو اپنے فائدہ کیلئے کریگا جو برا کام کرے گا تو وہ اس پر وبال ہوگا۔

Marfat.com

کہ ہم بالکل وعدہ نہیں کرتے جو جیسا کرے گا بھرے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ارشاد فرمایا اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ کَلَّا۔ تو جب تک پاک نہ ہوگے ہرگز دخول جنت کے قابل نہ ہوگے۔

(۲۱۸) معاش کی تدبیر کرنا اور معاد کو تقدیر پر رکھنا سخت غلطی ہے

غرض معاش کو تدبیر پر رکھنا اور معاد کو تقدیر پر چھوڑنا سخت غلطی ہے۔ بالخصوص جبکہ تحصیل معاد کی تدابیر خود خدا تعالیٰ ہی نے بتلائی ہوں اگر معاد کا حصول محض تقدیر سے ہوتا اور تدبیر کو اس میں دخل نہ ہوتا تو تدابیر بتلانے کی ضرورت کیا تھی اسی طرح اور بہت سے موانع ہیں گو یہاں سب مذکور نہیں ہوئے۔ مگر اس مختصر سی فہرست سے تھوڑے سے غور کے بعد وہ بھی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

(۲۱۹) توبہ میں تاخیر نہ چاہیئے اور تاخیر کی مضرت اور ایک شبہ کا جواب

پس جب موانع اور ان کے ازالہ کی تدابیر معلوم ہوگئیں تو جلدی سے ان موانع کو زائل کرنا چاہیئے اور توبہ کر لینا چاہیئے۔ تاخیر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ تاخیر کی خاصیت یہ ہے کہ پھر اکثر توبہ میسر ہی نہیں ہوتی۔ یہ حالت ہوتی چلی جاتی ہے کہ

لہ کیا لالچ رکھتا ہے۔ ہر آدمی اس بات کا کہ وہ نعمتوں کی جنت میں ہی داخل کر دیا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔

Marfat.com

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

کیونکہ توبہ ندامت کا نام ہے اور ندامت کہتے ہیں جی برا ہونے کو اور تصور پہ شرمندہ ہونے کو اور شرمندگی اس وقت ہوتی ہے کہ طبیعت پہ اثر باقی رہے اور اثر تھوڑے دنوں کے بعد زائل ہو جاتا ہے تو جب دل سے مقدمہ[۲] توبہ ہی نکل گیا تو توبہ کیونکر نصیب ہو سکے گی۔ عرض کبھی توبہ کرنے میں دیر نہ کرے بلکہ دن کے گناہوں سے رات آنے کے قبل توبہ کر لے اور رات کے گناہوں سے دن ہونے سے پہلے اور اگر کہو کہ سب سے آخری جو توبہ ہو گی اس کے بعد کے گناہ تو پھر بھی بلا توبہ کیے رہ جائیں گے تو مواخذہ بہر حال میں ہوا پھر روز کی توبہ کیا مفید ہوئی۔ تو جواب یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس پہ دس برس کے گناہوں کا بار ہوا اور وہ شخص جس پہ ایک دن کے گناہوں کا بار ہو۔ برابر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص پہ دس مقدمہ فوجداری کے ہو جائیں اور اس سے وکیل یوں کہے کہ اگر پیروی کی جائے تو امید ہے کہ نو مقدموں سے تم بری ہو جاؤ گے لیکن ایک مقدمہ میں باوجود پیروی کے بھی تم کو سزا ہو گی۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ ایسی صورت میں کیا رائے قائم کی جائے گی۔ آیا یہ کہ جب ایک میں سزا ہو گی تو پیروی کی کیا ضرورت ہے۔ بقیہ نو میں بھی ہونے دو۔ یا یہ کہ باوجود ایک میں یقین سزا ہونے کے دوسرے مقدمات کی اس لئے پیروی کی جائے گی کہ جس قدر بھی

---

[۲] میں ہر رات کہہ لیتا ہوں کہ کل اس محبت کو چھوڑ دوں گا۔ پھر جب کل ہوتی ہے تو آج کو کل بنا لیتا ہوں [۱۲] توبہ کی ابتدائی بات۔

Marfat.com

سزا کم ہو بہتر ہے ظاہر ہے کہ دوسری تجویز پر عمل ہوگا تو جو شخص پچاس برس کے گناہوں کی پوٹ لے گیا اور جو شخص ایک دن کے گناہ لے گیا کیا دونوں برابر ہیں۔ ہرگز نہیں[1]۔ اور اگر کہیے کہ برابر ہیں تو میں کہتا ہوں کہ مقدمات کی پیروی میں دونوں کو برابر کیوں نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ مقدمات کی پیروی کیوں کی گئی۔

(۲۰۴) اٹھواں مانع توبہ سے یہ خیال ہے کہ گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا مع جواب و طریقہ

بعض موانع ضروری اور بھی قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ ایک مانع خاص معصیت[2] اکتساب حرام سے توبہ کرنے کا یہ بھی ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا کیونکہ ہم کھانے کمانے کی طرح طرح کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں حلال و حرام کی تمیز بہت مشکل ہے۔ ہاں مولویوں کو گناہ چھوڑ دینا آسان ہے کیونکہ ان لوگوں کو مفت کا ملتا ہے اس لئے یہ بآسانی گناہ چھوڑ سکتے ہیں۔

---

[1] اور رہا یہ شخص برابر توبہ کرتا رہا اگر آخری بار اس کو توبہ کا موقع نہیں ملا تو امید ہے۔ کہ حق تعالیٰ اس کی توبہ کی عادت کی وجہ سے۔ اس مجبوری کی حالت کو بھی مثل توبہ کے کر دیں گے جیسے بیماری کی مجبوری میں صحت کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

[2] حرام کام کرنے کے گناہ سے۔

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو میں اس وقت ترک گناہ کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جب گناہ ہو جا یا کرے تو یہ کہہ لیا کرو تو گناہ کے نہ چھوٹنے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ توبہ بھی نہ ہو سکے۔ دوسرے اگر غور کر کے دیکھا جائے تو کوئی ناجائز ذریعہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو ترک نہ کیا جا سکے اور یہ جو ہم کو ترک کرنا گراں معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے احتیاجات روزمرہ میں بعض ایسی چیزیں بڑھا لی کہ جن کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں لیکن ہم ان کو ضروری سمجھ رہے ہیں تو اس کا جواب وہی ہے جو کہ کسی شخص نے ایک اوسطورے شاعر کو جس نے شعر میں تشدید آنے میں ضرورت کا عذر کیا تھا اس کو جواب دیا تھا کہ شعر[1] گفتن چہ ضرور تو اگر بضرورت[2] کثرت تعلقات گناہ ہوتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ تکثیر تعلقات چہ ضرور اصل جواب تو یہی ہے۔ لیکن یہ جواب ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ عالی ہمت ہوں اور دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح نہ دیتے ہوں۔ کم ہمتوں کے لئے دوسرا جواب بھی ہے مگر میں اس جواب کو زبان پر لاتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کم فہم لوگ اس سے گناہ کی اجازت نہ سمجھ جائیں مگر حاشا و کلا گناہ کی اجازت دینا ہرگز مقصود نہیں بلکہ منظور تقلیل اثم ہے حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک، تو وہ ہیں کہ اگر ان کو

---

[1] شعر کہنا ہی کیا ضروری ہے۔ مت کہو [2] تعلقات بڑھانے کی ضرورت سے گناہ ہو جاتے ہیں تو تعلقات بڑھانا ہی کیا ضروری ہیں نہ تعلقات زیادہ ہوں گے نہ لوگوں کی رسیں ہوگی نہ شان بنانے کی فکر ہوگی نہ خرچ بڑھے گا۔

Marfat.com

نہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام اٹکتا ہے۔ اور بعض وہ ہیں کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ مثلاً لباس خلاف وضع اسلامی پہننا اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی نقصان نہیں اسی طرح ٹخنوں کے نیچے پاجامے پہننا کہ ان کے ترک سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہے یا مثلاً عورتیں اس قدر باریک لباس پہنتی ہیں کہ اس میں پورے طور پر ستر نہیں ہوتا تو ان باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے تو کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ رشوت وغیرہ میں تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بغیر ان کے ہمارے کام چلنے دشوار ہیں۔ لیکن ان معاصی بے لذت میں کیا نفع ہے اور ان کے ترک میں کیا نقصان ہے علی ہذا کسی مرد یا اجنبی عورت کو بری نظر سے دیکھنا کہ اس میں کچھ نفع نہیں نہ اس کے ترک میں کوئی ضرر۔ اگر کہو کہ صاحب نہ دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے بلکہ تکلیف دیکھنے میں ہوتی ہے کہ اول نظر پڑتے ہی قلب میں ایک سوزش پیدا ہوتی ہے اس کے بعد جب وہ نظر سے غائب ہو گیا تو اس سوزش میں ترقی شروع ہوئی حتی کہ بعض لوگوں کا اس میں خاتمہ ہو گیا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نہ دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے تو تھوڑی سی تکلیف کا پھر وہ بھی چند دن کی برداشت کہ لینا کیا دشوار ہے اور اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ بہت سی تکلیف ہوتی ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر ضرر کیا ہوا کیا اس تکلیف سے تنخواہ بند ہو گئی یا کھانا بند ہو گیا ہرگز نہیں اور خود یہ تکلیف وہمی کوئی معتدبہ[1] ضرر نہیں غرض ان معاصی کو

---

[1] شمار کے قابل۔

Marfat.com

تو فی الفور چھوڑ دیا جائے اور جن معاصی کو بزعم خود موقوف علیہ حوائج دینویہ کا سمجھ رکھا ہے۔ ان کو اگر ترک نہ کر سکیں تو روزانہ ندامت و استغفار اور یہ دعا کہ اے اللہ ہم کو اس سے نجات دے یہ تو ممکن ہے اتنا ہی کر لیا کرو۔ بیفکری اور بے پروائی تو بہت بری چیز ہے۔

(۲۲۱) نواں مانع توبہ گناہ کی لذت ہے مع جواب

ایک مانع یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ گناہ کو لذیذ سمجھتے ہیں اور اسی لئے نہیں چھوڑ سکتے اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ مآل پر نظر کرے اور یہ سوچے کہ یہ ساری لذت ایک دن ناک کے رستے نکلے گی۔ دوسرے اہل فہم کے لئے اس کا یہ جواب ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ گناہ میں لذت ہوتی ہے۔ دیکھئے اگر عادت سے زیادہ مرچیں سالن میں ڈال دی جائیں تو اگرچہ ان میں لذت ہوگی لیکن اس لذت کے ساتھ سوزش ہوگی کہ اس کے سامنے لذت کا ادراک بھی نہ ہو گا۔ اور اگر کچھ ادراک ہو بھی تو لذت کا ادراک تو فوراً ہی ختم ہو جائے گا۔ لیکن سوزش بہت دیر تک باقی رہے گی۔ اسی طرح گناہ کرنے میں گو کچھ لذت بھی ہو لیکن اس روحانی تکلیف و پریشانی کے مقابلہ میں جو کہ گناہ میں ہوتی ہے یہ لذت کچھ بھی نہیں۔ دوسرے اس لذت کا خاتمہ تو فوراً ہی ہو جاتا ہے۔ اور اس روحانی تکلیف کا اثر مدت تک باقی رہتا ہے ہم کو التفات نہیں ورنہ معلوم ہو سکتا ہے کہ گناہ کر کے کس قدر کدورت اور طبعی[1] توحش پیدا ہوتا ہے

---

[1] طبیعت کی وحشت

Marfat.com

فوراً ہی مرتکب[1] کی طبیعت یہ فتویٰ دیتی ہے کہ تم نے بہت بُرا کام کیا کبھی اس کو وہ مسرت نصیب نہیں ہوتی۔ جو کہ نیکی کر کے مثلاً نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر ہوتی ہے۔ جیسے قلب میں اطمینان اور ایک نور سا معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف گناہ کے کہ اس کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سر پر جوتیاں ماردیں مگر افسوس ہے کہ ہم پھر بھی باز نہیں آتے گویا جوتیاں کھانے کی عادت ہوگئی ہے۔ جیسے چاروں کی عادت ہوجاتی ہے یا جیسے نمرود کی عادت ہوگئی تھی اور یہ تکلیف تو فی الحال ہوتی ہے۔ پھر اس کا ایک مآل[2] ہوتا ہے۔ یعنی دُنیا ہی میں کہ اس پر طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ اکثر رزق سے محروم ہوجاتا ہے اور اس کو بشرط غور معلوم بھی ہوجاتا ہے کہ فلاں گناہ کی سزا ہے خوب کہا ہے[3]

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم — آن ز بیباکی و گستاخی ست ہم
غم چو بینی زود استغفار کن — غم بامر خالق آمد کار کن

ابن ماجہ کی حدیث میں ہے اِنَّ الْعَبْدَ یُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِیْئَۃٍ یَعْمَلُھَا اور کھانے کو ملے بھی تو اس کی برکت جاتی رہتی ہے۔ اس کا سہل طریقہ مشاہدے کا یہ ہے کہ آپ دو مہینے کی رخصت لے کر ان میں سے ایک مہینے

---

[1] کرنے والے [2] انجام [3] جو کچھ تم پر آتی ہیں تاریکیاں اور غم یہ بھی بیباکی اور گستاخی سے ہی ہے۔ [4] جب تم غم دیکھو فوراً استغفار کرو غم تو خدا کے ہی حکم سے کام کرتا ہوا آیا ہے۔ استغفار سے گناہ اور گستاخی معاف ہوگی تو یہ سزا غم پریشانی بھی دُور ہوجائیگی [5] بیشک انسان رزق سے محروم کردیا جاتا ہے کسی گناہ کی بدولت جو وہ کرتا ہے

Marfat.com

تو کسی ایسے شخص کے پاس گذار یئے جو کہ نہایت متنعم اور آرام میں زندگی بسر کرتا ہو اور کسی گناہ سے نہ بچتا ہو اور دیکھئے کہ ان گناہوں کی بدولت اس کے قلب کی کیا کیفیت ہے آخر بات چیت سے اس کے اندازہ کا پتہ لگ ہی جائے گا۔ خاص کر اس وقت میں جبکہ اس پر کوئی مصیبت آئے مثلاً بیمار ہو جائے۔ یا کسی دشمن کی مخالفت کا اندیشہ ہو۔ اس کے بعد کسی ایسے شخص کے پاس رہیئے۔ کہ اس کو اچھی طرح کھانے کو بھی میسّر نہ آتا ہو مگر خدا کا مطیع اور فرمانبردار ہو اور اس کے قلب کی کیفیت دیکھئے۔ خاص کر کسی مصیبت کے وقت اس کے بعد ان دونوں کی قلبی حالت کا موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ سرور اعلیٰ کس کے قلب میں ہے آپ پائیں گے۔ کہ وہ فاقہ مست ہر وقت شاد و فرحاں ہے اور یہ متنعم ہر وقت غم و الم میں مبتلا ہے اور یہ ایسا یقینی اور بین فرق ہے کہ جب چاہے اور جس کا جی چاہے امتحان کر دیکھے

اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ پریشانی کس چیز کی ہے اور وہ سرور کس چیز کا ہے ظاہر ہے کہ پریشانی نافرمانی کی اور سرور فرمانبرداری کا ہے بس نافرمانی میں لذت اور فرمانبرداری میں کلفت کہنا غلط ہوا بلکہ امر بالعکس ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً یہ تو فرمانبردار کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا یہ نافرمان کے لئے غرض فرمانبرداری میں

لہ خوش بخوشش سے اس کا الٹا ہے سے اور ہم اس کو زندگی دیں گے پاکیزہ زندگی لگے تو اس کے لئے زندگی ہے تنگ۔

Marfat.com

پوری راحت ہے اور راحت ہی کا نام عیش ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر ایک امیر کبیر کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور اس سے کہا جائے کہ تم اس پر راضی ہو کر یہ تمام دولت اس غریب کو دے دو اور یہ تمہارے عوض پھانسی لے لے تو وہ یقیناً قبول کر لے گا۔ اب بتلائیے کہ یہ قبول کیوں ہوا اس لئے کہ دولت کے بدلے میں ایک مصیبت سے نجات ہوئی اور راحت نصیب ہوئی غرض یہ کہنا کہ لذت کی وجہ سے گناہ نہیں چھوٹ سکتے غلط ہوا۔

(۲۲۲) دین کے پانچ اجزاء میں سے ہم لوگوں نے صرف ایک جزو لے لیا ہے۔

یہاں تک تو توبہ کے موانع اور ان کے علاج کا ذکر تھا اب ایک مختصر سی فہرست ان گناہوں کی جن میں سب مبتلا ہیں بیان کرنی باقی ہے۔

سو اول یہ سمجھئے کہ دین کے پانچ جز ہیں۔ پہلا جزو عبادات جیسے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج وغیرہ دوسرے معاملات جیسے بیچنا۔ خریدنا۔ نوکر رکھنا۔ رشوت لینا۔ سود لینا۔ روپے کے عوض پیسے لینا۔ یا گوٹہ ٹھپہ خریدنا وغیرہ تیسرے عقائد کہ خدا کو ایک جاننا اور اس کو قادرِ مطلق ماننا۔ سیتلا وغیرہ کے توہمات کو باطل سمجھنا وغیرہ چوتھے معاشرت کہ آپس میں میل جول کس طرح رکھیں جب ملیں

لہ ہماری دولت کے بدلہ راحت لی اور راحت ہی عیش ہے۔ دولت عیش نہیں۔

Marfat.com

مصافحہ وغیرہ پانچویں اخلاق یعنی ملکات[1] باطنہ کا درست کرنا حسد۔ بغض۔ کینہ عداوت وغیرہ سے دل کو پاک کرنا تحمل۔ بردباری۔ وقار۔ نرمی۔ خوش کلامی اپنے اندر پیدا کرنا۔ یہ پانچ حصے دین کے ہیں۔ مگر ہمارے مسلمان بھائیوں نے دین کو صرف عبادات میں منحصر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ چار اجزاء کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک بہت سی نفلیں پڑھ لینا گلے میں تسبیح ڈال لینا۔ روزہ رکھ لینا۔ بس اسی کا نام دین ہے۔ بعض عبادات کے ساتھ تصحیح عقائد کو بھی دین سمجھتے ہیں۔ باقی معاملات اور معاشرت اور اخلاق کو کوئی شخص دین کا جزو نہیں سمجھتا۔ الا ماشاء اللہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دنیا کے حالات ہیں۔ ان میں ہم جس طرح چاہیں کریں شریعت کو ان سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ یہ سب شریعت ہی کے اجزاء[2] ہیں۔

---

[1] دل کے اندر جمی ہوئی دائمی عادات [2] کیونکہ شریعت دین مذہب ملت سب انہی احکام کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اور حضورؐ یہ سب جز لے کر آئے ہیں۔ سب پر خود عمل کیا اور عمل کو فرمایا ہے اس لئے سب کا مجموعہ ہی دین ہے۔ فقط۔

الحمد للہ الرفیق کا حصہ دوم تمام ہوا۔ ناشر

Marfat.com

بیان القرآن

مکمل

قرآن شریف انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔
یہ وہ کتاب ہے جس کے قوانین شاہ وگدا سب کے لئے
برابر واجب العمل ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے
اس تفسیر میں قرآن پاک کے تشریحی مطالب کے ساتھ
واقعات وقصص بھی تفصیلاً بیان فرمائے ہیں۔ ہر حرف کا
وہ مطلب بیان کیا ہے جو تمام مفسرین کے نزدیک راجح
اور قوی تھا۔ یہ کتاب اگرچہ بارہا چھپ چکی ہے لیکن اپنی
بے پناہ قبولیت کی وجہ سے ہر مرتبہ بہت جلد نایاب
ہونے لگتی ہے۔

ادارہ ہذا میں اس وقت چند نسخے موجود ہیں۔ خواہش مند
حضرات جلد ہی طلب فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ختم ہو جائے۔
ادارہ کے مستقل خریداروں کو رعایت دی جائے گی

قیمت مکمل بلا جلد پچاس ۵۰ روپے

Marfat.com

ملفوظات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا مکمل ذخیرہ۔
جس کے مطالعہ سے آج بھی ایسا ہی لطف آتا ہے کہ گویا
حضرت کی مجلس میں حاضر ہیں اور ملفوظات سن رہے ہیں

ہر ملفوظ ایسے ایسے عجیب و غریب مضامین پر مشتمل
ہے کہ دماغ حیران رہ جاتا ہے۔ ادارہ ہذا سے ملفوظات کی
چار جلدیں مل سکتی ہیں۔

فی جلد:۔ قیمت:۔ ۵/۰ چار جلد:۔ ۲۰/۰

مستقل خریداروں کو ۵۰ پیسے فی جلد رعایت ہے۔
اپنی ہر کتاب خریدنے کے لئے یاد رکھیں۔

کتب خانہ جمیلی نمبرہ گولڈنگ روڈ
لاہور

Marfat.com

کتب خانہ جمیلی احمد نقشبندی
ذخیرہ

مواعظِ اشرفیہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ
کے مواعظ تشنگان علوم کی سیرابی کا بہترین ذریعہ ہیں۔
ہزاروں افراد کا تجربہ ہے کہ اگر حضرت کے مواعظ کا
مطالعہ کیا جائے تو عبادت میں ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے
اخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور جن اعمال میں پہلے جی نہ لگتا
تھا وہ عادت بن جاتے ہیں کہ اب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا
ادارہ ہذا میں مواعظ کا کثیر ذخیرہ موجود ہے۔ اب مکمل فہرست
چھپ کر تیار ہو گئی ہے ایک کارڈ لکھ کر منگائیں۔ اور
اپنے ذوق سے مواعظ کا انتخاب کریں۔

ملنے کا پتہ

کتب خانہ جمیلی۔ نمبر ۵ گولڈ نگ روڈ

لاہور

Marfat.com

Marfat.com

دو ماہی نظامِ اشاعت

حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہٗ

کی تصانیف دو ماہی پروگرام کے تحت ادارہ ہذا سے شائع ہو رہی ہیں کیونکہ قیمتی کتابوں کا خریدنا ہر شخص کیلئے مشکل ہے اس لیے ادارہ ہذا عوام کی سہولت کے پیشِ نظر چھوٹے سائز پر عمدہ کتابت و طباعت سے آراستہ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ہر دو ماہ بعد ایک کتاب شائع کرتا ہے جس کی عام قیمت ۲/۵۰ ہوتی ہے لیکن مستقل خریدار کو تقریباً ستر پیسے ڈاک و پیکنگ خرچ شامل کر کے صرف ۲/۲۰ میں ہر دو ماہ بعد بذریعہ وی پی روانہ کی جاتی ہے۔

اس دینی خدمت میں ادارہ کا ہاتھ بٹائیں اور حلقہ احباب میں زیادہ سے زیادہ خریدار پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں تفصیلات ملاحظہ فرما کر آپ بھی شرکت فرمائیں،

خاکسار

مشرّف علی تھانوی، ناظم کتب خانہ جمیلی

نمبر ۵ گولڈنگ روڈ لاہور

Marfat.com

دو ماہی نظامِ اشاعت

حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہٗ

کی تصانیف دو ماہی پروگرام کے تحت ادارہ ہذا سے شائع ہو رہی ہیں کیونکہ قیمتی کتابوں کا خریدنا ہر شخص کیلئے مشکل ہے اس لیے ادارہ ہذا عوام کی سہولت کے پیشِ نظر چھوٹے سائز پر عمدہ کتابت و طباعت سے آراستہ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ہر دو ماہ بعد ایک کتاب شائع کرتا ہے جس کی عام قیمت ۲/۵۰ ہوتی ہے لیکن مستقل خریدار کو تقریباً ستر پیسے ڈاک و پیکنگ خرچ شامل کر کے صرف ۲/۲۰ میں ہر دو ماہ بعد بذریعہ وی پی روانہ کی جاتی ہے۔

اس دینی خدمت میں ادارہ کا ہاتھ بٹائیں اور حلقہ احباب میں زیادہ سے زیادہ خریدار پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں تفصیلات ملاحظہ فرما کر آپ بھی شرکت فرمائیں،

خاکسار

مشرّف علی تھانوی، ناظم کتب خانہ جمیلی

نمبر ۵ گولڈنگ روڈ لاہور

Marfat.com

103

اسلام اور زندگی

یعنی

الرفیق فی سواء الطریق

حصہ دوم

از افادات

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

کتب خانہ حمیدی نمبر ۵ گوالمنڈی روڈ لاہور

1656

Marfat.com